ہمدرد
نونہال




حیاتین آمیز
سِنکارا
خاندان کے ہر فرد کیلئے ہر موسم میں یکساں مفید
Cinkara
ہمدرد

دسمبر ۱۹۶۵ء

مدیر اعلا: حکیم محمد سعید

مدیر معاون: مسعود احمد برکاتی

فون: ۴۷۷۷۵

شمارہ ۱۲ جلد ۱۲

دفتر ہمدرد نونہال
ہمدرد ڈاک خانہ، کراچی ۱۸

ہمدرد نونہال

جاگو، جگاؤ

بڑوں کا کہنا ماننا یا اطاعت اچھے بچوں کی خصوصیت ہے۔ جو بچے اپنے بڑوں کا اور اپنے سے بڑوں کا کہنا مانتے ہیں، بڑے بھی اُن سے محبت کرتے ہیں اور اُن کی بات نہیں ٹالتے۔ جو بچے اطاعت شعار نہیں ہوتے اُن سے بڑے بھی خوش نہیں ہوتے اور اُن سے چھوٹے بھی اُن کا کہنا ماننے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ بڑوں کا کہنا مانو اور بڑوں چھوٹوں سب کو خوش رکھو۔

حکیم محمد سعید



قیمت :- ایک رسالہ : ۷۵ پیسے ـــ سالانہ : آٹھ روپے

مجاہد

اگر ایک شخص تمام دن روزہ رکھے

تمام رات زہد اور عبادت میں بسر کرے

یہاں تک کہ نفلیں پڑھتے پڑھتے اس کے پیروں پر ورم آجائے

اور دوسرا شخص

جہاد کی نیّت سے دن یا رات میں

صرف ایک گھنٹہ نشانہ لگانے کی مشق کرے

تاکہ کافروں کے مقابلے میں

بندوق چلاتے وقت اس کی آنکھ نہ جھپکے

پہلا شخص (یعنی عابد) دوسرے شخص (یعنی مجاہد)

کے مرتبہ کو ہرگز نہ پہنچے گا۔

سید احمد شہیدؒ



مسعود احمد برکاتی

جاگتے رہو

ہندستان پاکستان کی جنگ میں پاکستان کو فتح حاصل ہوئی۔ ہم نے اپنے وطن کا دفاع پوری قوت، پوری ہمت اور پوری شجاعت کے ساتھ کیا۔ پاک سرزمین پر قبضہ کرنے کے ناپاک ارادے کو ناکام بنا دیا۔ دشمن کی خوب پٹائی کی اور اس کو بھاری نقصان پہنچایا۔ پاکستان کا بھی نقصان ہوا۔ ہماری بہادر فوجوں کے بہت سے جوانوں اور افسروں نے وطن کی خاطر اپنی جان قربان کر دی۔ پُرامن شہریوں کو جانی ومالی نقصان اٹھانا پڑا، لیکن اللہ کا شکر ہے کہ جیت پاکستان ہی کی ہوئی۔ پاکستان نے ہندستان کے حملے کو پسپا کر دیا اور اس کے خاصے بڑے علاقے پر قبضہ بھی کر لیا۔ اس کے علاوہ ہمیں اس جنگ سے سب سے بڑا جو فائدہ پہنچا وہ یہ ہے کہ ہماری آنکھیں کھل گئیں، ہم غفلت کی نیند سے بیدار ہو گئے اور سب ایک ہو گئے، متحد ہو گئے۔ ہمیں اپنی آزادی کو قائم رکھنے کی ضرورت کا احساس پہلے سے زیادہ ہو گیا۔ پاکستان سے ہمیں جو محبت ہے، اس سے ہم خود واقف نہیں تھے، اب ہمیں اچھی طرح اندازہ ہو گیا کہ ہم پاکستان سے کتنا لگاؤ رکھتے ہیں۔ ملک کے لیے قربانی دینے کا جذبہ ابھر گیا۔ ہم نے ثابت کر دیا کہ پاکستان کے سب لوگ بھائی بھائی ہیں اور ایک دوسرے کو عزیز ہیں۔

یہ فائدہ بہت بڑا فائدہ ہے۔ اس کے مقابلے میں ہندستان کو یہ فائدہ حاصل نہیں ہوا، بلکہ حالات بتاتے ہیں کہ اس جنگ نے جو خود اُسی نے چھیڑی تھی، اس کی قوم کو متحد اور متفق کرنے کے بجائے منتشر کر دیا، آپس کے اختلافات بڑھ گئے اور کافی جانی ومالی نقصان بھی اٹھانا پڑا اور ایسا ہونا ضروری ہے۔ اس لیے کہ ابتدا ہندستان نے ہی کی تھی، وہی حملہ آور اور ظالم ہے۔ ظلم کرنے والا آخر میں خود ہی نقصان اٹھاتا ہے۔

اس جنگ نے دنیا پر ثابت کر دیا ہے کہ

* پاکستان کی حفاظت ہر پاکستانی اپنا فرض سمجھتا ہے۔
* پاکستان کو باقی رکھنے کے لیے ہر پاکستانی اپنی جان تک قربان کرنے کو تیار ہے۔
* پاکستان کے دوست کو ہر پاکستانی عزیز رکھتا ہے۔

★ پاکستانی اپنے ملک کے دشمن کی طاقت اور کثرت سے نہیں ڈرتے۔

★ پاکستانی عوام اور پاکستانی سپاہی نڈر ہیں، بہادر ہیں اور موت سے نہیں ڈرتے۔

★ پاکستان کے تمام رہنما ملک کی سلامتی کے بارے میں متفق ہیں۔

جو اتحاد و اتفاق ہم پاکستانیوں میں پیدا ہو گیا ہے اور وطن کی حفاظت اور ملک کی خدمت کا جو جذبہ بیدار ہو گیا ہے، وہ قائم رہنا چاہیے، بلکہ ہماری کوشش یہ ہونی چاہیے کہ یہ جذبہ اور بڑھے۔ اس جذبہ کو قائم رکھنے اور بڑھانے کے لیے اور پاکستان کو زیادہ مضبوط بنانے اور ترقی دینے کے لیے ہر پاکستانی کو چاہیے وہ بڑا ہو چھوٹا، امیر ہو غریب، عورت ہو یا مرد یا بچہ، کچھ نہ کچھ کرنا چاہیے اور کرتے رہنا چاہیے۔ ہمارے خیال میں اب ہر پاکستانی کو پختہ ارادہ کر لینا چاہیے کہ وہ اپنے، اپنے خاندان اور اپنے گھر کے لیے محنت کرنے کے ساتھ ساتھ پاکستان کی خدمت بھی کرے گا اور کرتا رہے گا۔ وہ روزانہ ضرور کوئی ایسا کام کرے گا، جو ملک و قوم کی بھلائی و بہتری کے لیے ہو اور ایسا کام تو ہرگز نہیں کرے گا جو ملک و ملّت کے لیے نقصان دہ ہو۔ یہ نہیں سوچنا چاہیے کہ ہم ملک کے لیے کیا کام کر سکتے ہیں۔ ہر شخص ملک کی خدمت کر سکتا ہے۔ ملک کی خدمت اپنی خدمت بھی ہو گی۔ ملک کی خدمت کے چند طریقے یہ بھی ہو سکتے ہیں:

★ سادگی اختیار کیجیے۔

★ کفایت سے کام لیجیے۔ ضرورت ہی کی چیزوں پر رُپیہ خرچ کیجیے۔

★ محنت سے کام کیجیے۔ اپنے فرائض توجہ سے انجام دیجیے۔

★ اپنا وقت ضائع نہ کیجیے، وقت کو اپنی یا ملک کی بھلائی کے کاموں میں صرف کیجیے۔

★ اپنی صحت کا خیال رکھیے، تن درست و توانا ہونا ہر حال میں مفید ہے۔

★ رُپیہ بچائیے اور محفوظ رکھیے۔

★ دفاعی فنڈ اور رفاہی کاموں میں اپنی آمدنی میں سے کچھ نہ کچھ ضرور دیجیے۔

★ کوئی ایسی بات نہ کریں، جس سے اپنے کسی بھائی کو دکھ پہنچے یا وہ مصیبت میں مبتلا ہو۔

★ ایسی باتوں سے پرہیز کریں جن سے آپس میں اختلاف، بدظنی اور غلط فہمی پیدا ہو۔

★ ملک کی خدمت کے لیے دوسروں کو بھی تیار کریں۔

ہم نے جس طرح پاکستان کی حفاظت اور دفاع کے لیے دل و جان سے کوشش کی، اسی طرح اب بھی پاکستان کو مضبوط بنانے اور ترقی دینے کے لیے کام کرنا چاہیے اور دشمنوں سے چوکنا رہنا چاہیے۔

ہمارا جھنڈا

سحر انصاری



سبز آسماں پر چاند اور تارا
جھنڈا ہمارا، جھنڈا ہمارا
سب کے دلوں میں لہرا رہا ہے
عظمت کے قصّے دہرا رہا ہے
جھنڈا ہمارا، لہرا رہا ہے
لہرا رہا ہے بل کھا رہا ہے
موجوں سے بڑھ کر اس کی روانی
ہے اس کے آگے پتھر بھی پانی
سائے میں اس کے آزاد ہیں ہم
اس کی زمیں پر آباد ہیں ہم
اونچے پہاڑوں کی وادیوں میں
ہنستی ہنساتی آبادیوں میں
اونچا رہا ہے جھنڈا ہمارا
جھنڈا ہمارا اونچا رہے گا

وطن کا سپاہی

میرزا ادیب

ترکوں کی تاریخ میں سلطان مراد کے نام سے دو بادشاہ گزرے ہیں۔ سلطان مراد دوم جتنا بڑا بادشاہ تھا، اتنا بڑا سپہ سالار بھی تھا۔ ترکوں کی عزت و نیک نامی میں جتنا اس نے اضافہ کیا، بہت کم بادشاہوں نے کیا ہوگا۔ اب تک ترک اس پر فخر کرتے ہیں اور آئندہ بھی کرتے رہیں گے۔

سلطان مراد نے پورے بائیس برس تک عیسائیوں سے جنگ کی اور ہر موقع پر انھیں شکست دی۔ اتنی مدت تک لڑنے کے بعد وہ تھک گیا۔ اب وہ چاہتا تھا کہ آرام کرے، چناں چہ اس نے حکومت کا سارا کام اپنے بیٹے کے سپرد کر دیا اور خود الگ تھلگ ہو کر ایک گوشے میں جا بیٹھا۔

اس کے بیٹے کی عمر چودہ سال سے زیادہ نہیں تھی، مگر وہ جانتا تھا کہ اس کا بیٹا اتنی کم عمر میں بھی اپنی ذمہ داریاں پوری کر سکتا ہے اور اگر اُسے کوئی مشکل پیش آئے گی تو تجربہ کار وزیر اُس کو اس مشکل سے نکال لیں گے۔

اپنے بوڑھے وزیر پر اسے بڑا بھروسہ تھا اور اسے یقین تھا کہ یہ وزیر اس کے بیٹے کی پوری پوری مدد کرے گا اور اسے کبھی پریشان نہیں ہونے دے گا۔

دن گزرتے جا رہے تھے اور سلطان مراد اپنے گوشے میں بے فکر ہو کر زندگی بسر کر رہا تھا۔ اس نے

حکم دے رکھا تھا کہ کوئی شخص بھی اس کے کمرے میں نہ آئے، جس کو کچھ کہنا ہو وہ اس کے بیٹے سے کہے یا وزیر کے پاس جائے اسے پریشان بالکل نہ کرے۔

ایک روز کا ذکر ہے کہ وہ اپنے کمرے میں بیٹھا اپنی پرانی باتیں یاد کر رہا تھا کہ کہاں کہاں اس نے عیسائیوں کو شکست دی اور کس کس مقام پر کیسی کیسی بہادری کا کام کیا۔ ایسی ہی باتیں اس کے ذہن میں ہجوم در ہجوم آرہی تھیں۔

یہ باتیں یاد کر کے اسے بڑی خوشی ہو رہی تھی کہ اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔

"ہیں یہ کون گستاخ ہے جو اندر آنا چاہتا ہے۔" اس نے اپنے دل میں کہا، "جب میں نے حکم دے رکھا ہے کہ کوئی شخص بھی میرے پاس نہ آئے تو یہ کون ہے، جو میرا حکم نہیں مان رہا؟" سلطان کو بڑا غصّہ آیا۔ اس نے وہیں بیٹھے بیٹھے گرج کر کہا، "چلے جاؤ۔"

اس کے باوجود دروازے پر پھر دستک ہوئی اور اس کے ساتھ ہی آواز آئی، "بادشاہ سلامت! دروازہ کھولیے۔"

اس نے آواز پہچان لی — یہ آواز اس کے وزیر کی تھی۔ خیر اس نے اٹھ کر دروازہ کھولا اور کہنے لگا، تم نے دو گستاخیاں کی ہیں۔ ایک تو میرا حکم نہیں مانا اور دوسری گستاخی یہ ہے کہ مجھے بادشاہ سلامت کہا ہے۔ حالاں کہ میں حکومت کا کام بالکل چھوڑ چکا ہوں۔"

وزیر بڑے ادب سے بولا:
"حضور آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے کمرے کے باہر کیا ہو رہا ہے۔"

"کیا ہو رہا ہے؟" سلطان نے پوچھا۔ وزیر بولا:

"میں یہ نہیں کہتا کہ آپ کیا کریں۔ جو مناسب سمجھیں کریں۔ میں صرف یہ بتانے آیا ہوں کہ آپ کے ملک کے دشمن آپ کے پیارے ملک پر حملہ آور ہونے کی تیاری کر رہے ہیں اور آپ کا بیٹا ان کا یہ حملہ نہیں روک سکے گا!"

سلطان نے یہ لفظ سنے تو بڑے غصّے سے بولا :

"کس میں اتنی جرأت ہے کہ میرے ملک پر حملہ کرے۔ جب تک میں زندہ ہوں کوئی شخص اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا۔ کون ہے جو اپنے ناپاک قدم میرے مقدّس وطن پر رکھنا چاہتا ہے۔"

وزیر بولا، "ہنگری کا عیسائی حکمران۔"

یہ جواب سنتے ہی سلطان فوراً اٹھ بیٹھا۔ اُسی وقت اپنا لباس اتارا، سپہ سالار کی وردی پہنی، ہتھیار لگائے اور باہر نکل کر اپنے سپاہیوں کو جمع کرنے لگا۔ لوگ اس کی پھرتی اور چالاکی دیکھ کر حیران ہو رہے تھے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا یہ وہی سلطان مراد ہے، جو کسی سے ملنا بھی نہیں چاہتا تھا اور جو تھک کر اور بوڑھا ہو کر گوشہ نشین ہو گیا تھا۔ آج اسے یک لخت کیا ہو گیا ہے۔

جب اس کا لشکر تیار ہو گیا تو اس نے سب سپاہیوں کو مخاطب کر کے کہا :

"بہادرو! اپنے پاک وطن کی حفاظت کرنا ہر ترک کا فرض ہے۔ دشمن کو بتا دو کہ ترک سپاہی اپنے وطن کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر سکتا ہے اور اپنی سرزمین کا ایک ایک ذرّہ اُسے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہے۔ وطن نے آج اپنے ہر بیٹے کو مدد کے لیے بلایا ہے۔ آج ہر بیٹا میدان میں آ جائے۔ اگر آج میری بوڑھی رگوں میں لہو جوش مار رہا ہے تو تمھارے اندر تو ایک طوفان برپا ہوگا، کیوں کہ تم سب کے سب جوان ہو۔"

بوڑھے بادشاہ کی اس تقریر سے سپاہیوں کے دلوں میں آگ سی بھڑک اٹھی اور وہ لڑنے مرنے پر تیار ہو گئے۔

سلطان مراد اس وقت اپنے سپاہیوں کو اس جگہ لے جانے لگا، جہاں عیسائی فوج کھڑی تھی۔ عیسائی فوج کے سپہ سالار کو جب سلطان مراد

کے آنے کا علم ہوا تو وہ خود مقابلہ کرنے کے لیے آگے بڑھنے لگا۔

جب فوجیں ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوگئیں تو ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اتنے زور کی ہوا چلی کہ عیسائیوں کے جھنڈے زمین پر گر پڑے۔ عیسائیوں نے اسے منحوس سمجھا اور واقعی یہ چیز منحوس ہی ثابت ہوئی۔

جنگ میں عیسائیوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ شکست کھاکر بھاگنے لگے۔

اس کے بعد سلطان نے گوشہ نشینی اختیار نہیں کی۔ جب تک زندہ رہا اپنے دشمنوں سے لڑتا رہا اور انھیں شکست دیتا رہا۔

لوگ اس سے کہتے تھے، "اب آپ عزلت کے گوشے میں کیوں نہیں چلے جاتے"! وہ جواب دیتا، "میں وطن کا سپاہی ہوں اور وطن کے سپاہی کو ہر وقت اپنے وطن کی حفاظت کے لیے مستعد رہنا چاہیے۔

انعامی کارٹون

ستمبر اور اکتوبر ۱۹۶۵ء کے ہمدرد نونہال میں جو انعامی کارٹون شائع ہوئے تھے، افسوس ہے کہ ہمیں جتنے خط ملے، اُن میں اُن کارٹونوں کے صحیح عنوان نہیں بتائے گئے۔ ہم نے اِس لیے زیادہ انتظار بھی کیا، لیکن نونہالوں کی طرف سے صحیح عنوان پھر بھی موصول نہیں ہوا۔ صحیح عنوانات یہ ہیں:-

ستمبر کے کارٹون کا عنوان:

"یہ میرے بڑے دوست ہیں"

اکتوبر کے کارٹون کا عنوان:

"صُراحی دار گردن"

نومبر میں جو انعامی تصویر دی گئی ہے اس کا عنوان سوچ کر جلدی سے بھیج دو۔

نمک کا بچہ

الطاف فاطمہ



جمّو کو اِس مرتبہ چھٹّیوں کا بڑی بے تابی سے انتظار تھا، اس لیے کہ امّی جان نے اس سے وعدہ کر رکھا تھا کہ ان چھٹّیوں میں تم کو پھپھو جان کے پاس سوات بھیجوں گی۔

سوات کیسی جگہ ہے اور وہاں کیا کچھ ہوتا ہے، یہ اس کو کچھ خبر نہ تھی۔ اس کو تو بس یہ خوشی تھی کہ یہاں سے مردان تک چھک کا چھک کرتی ریل گاڑی پر جاؤں گی، پھر مردان سے چچا میاں اپنی جیپ پر سوات لے جائیں گے۔

اس کے سفر کا سامان امّی جان نے پہلے ہی تیار کر رکھا تھا اور چھٹیوں کے تیسرے دن ہی اپنی ایک سہیلی کے ساتھ اس کو روانہ کر دیا۔ مردان پر چچا میاں اپنی جیپ لیے موجود تھے، انھوں نے اس کو دیکھتے ہی کہا،

"او ہو بھئی جمّو رانی تو اب بڑی ہو گئی، اب تو چوٹیاں کرنے لگی۔ کیوں جمّو، اب تو پریوں کی کہانیاں سننے کی ضد نہیں کرتی؟"

"نہیں چچا میاں، اب تو میں بڑی ہو گئی ہوں۔" جمّو نے اپنی خوب صورت ربنوں والی موٹی موٹی چوٹیوں کو غرور سے دیکھ کر کہا، "اب تو مجھے سچی کہانیاں اچھی لگتی ہیں۔"

جوں جوں جیپ مالاکنڈ کی اجاڑ پہاڑیوں سے دور ہو کر سوات کی وادی میں داخل ہوتی گئی مکّا کے ہرے بھرے کھیت اور رباپولر کے درختوں سے گھرے راستے اور بل کھاتے ہوئے دریا پر جھکے ہوئے ولو کے درختوں کا وجود ایک بار پھر اس کے ذہن میں پرستان اور پریوں کے خیال کو جگاتا گیا اور جب ان کی جیپ منکیال کی طرف چڑھائی چڑھ رہی تھی تو جمّو کو اپنی کتابوں میں چھپی ہوئی پریوں کی بے شمار کہانیاں یاد آ رہی تھیں۔

منکیال میں جمّو کی پھپّو جان کا چھوٹا سا خوب صورت کاٹج تھا، جس کا چھوٹا سا احاطہ رنگ برنگے پھولوں سے بھرا ہوا تھا۔

اپنی دونوں پھوپی زاد بہنوں اور چھوٹے سے بھائی کے ساتھ وہ سارے کاٹج میں گھومتی پھری، ہر کمرہ مختصر لیکن بہت صاف ستھرا اور خوب صورتی سے سجا ہوا تھا۔ کھانے کے کمرے کی کھڑکی پر سفید گلاب کی بیل بڑی خوب صورتی سے پھیلی ہوئی تھی۔ سائڈ بورڈ پر چیزیں قرینے سے لگی ہوئی تھیں، جیسا کہ عموماً گھروں میں ہوا کرتی ہیں، لیکن جمّو کی توجہ جس چیز کی طرف گئی وہ سفید پلاسٹک کا ایک خوب صورت سا بچّہ تھا، جس کے سر پر ایک نوک دار ٹوپی خوب صورتی سے جمی ہوئی تھی۔ یہ بچّہ کھانے کی میز پر پھولوں سے بھرے گلدان کے قریب کھڑا تھا۔

"ارے یہ گڑیا کس کی ہے؟" جمّو نے کہا، "کہیں گڑیاں بھی کھانے کی میزوں پر رہتی ہیں۔"

"واہ بھئی! یہ گڑیا کب ہے!" زینت ہنسی، "یہ تو نمک کا بچّہ ہے۔"

"ہائیں یہ بچّہ نمک کا بنا ہوا ہے۔" اس نے حیرت سے بچّے کو چھوا جو ربر کی طرح نرم تھا۔

"ارے بھئی نمک کا نہیں، یہ تو پلاسٹک

کا ہے، مگر امّی نے اس میں نمک بھر رکھا ہے، اِس لیے ہم اس کو نمک کا بچّہ کہتے ہیں۔ پہلے اِس میں شہد بھرا تھا، اب ہم نے اس میں نمک رکھ لیا۔"

گھر میں بے شمار دل چسپ چیزیں اور کھیل کے سامان تھے، جمّو کے دھیان سے بہت جلد بچّے کا خیال نکل گیا، یہاں تک کہ کھانے کے وقت بھی اپنے دل پسند کھانوں اور کیوڑے میں بسی شکر قند کی کھیر کی موجودگی میں اس کا خیال تک نہ آیا۔

کئی دن گزر گئے۔ ایک شام زینت اور طلعت اپنی دوست کی سال گرہ میں گئی ہوئی تھیں۔ جمّو کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی، اس لیے وہ گھر پر ہی رہ گئی تھی۔ زینت اور طلعت کی دوست سیدو شریف میں رہتی تھی، اس لیے ان کو رات وہیں گزارنے کی اجازت مِل گئی تھی۔ اکیلے گھر میں جمّو کا دل گھبرا رہا تھا۔ وہ اِدھر اُدھر پھرتی رہی۔ رات کے کھانے کے بعد پھپو جان عشا کی نماز پڑھنے لگیں تو جمّو کھانے کے کمرے میں اپنی کتاب لے کر بیٹھ گئی، اس لیے کہ اس کی کھڑکی پر پھیلی ہوئی بیل اور اس میں کھلے ہوئے سفید گلاب اس کو بہت پسند تھے۔ وہ کھڑکی کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھی پڑھ رہی تھی کہ اس کو ایسا معلوم ہوا کہ کسی نے بڑی دکھ بھری سی ٹھنڈی سانس لی۔ جمّو نے چونک کر اِدھر اُدھر دیکھا اور کسی کو اپنے قریب نہ پاکر وہ پھر پڑھنے لگی کہ دوبارہ کسی نے دکھ بھری آہ بھری۔

جمّو نے چونک کر سامنے دیکھا تو سفید پلاسٹک کا بچّہ جس میں نمک بھرا تھا، کھڑا اپنی آنکھیں جھپکا رہا تھا۔

ارے ہائیں، یہ اس کی آنکھیں کیوں جھپک رہی ہیں۔ کہیں میں کوئی خوب صورت خواب تو نہیں دیکھ رہی ہوں،" جمّو نے اپنی آنکھیں ملیں اور پھر کھولیں تو دیکھا وہ بدستور آنکھیں جھپکا رہا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ اس کے ہونٹ ہلے۔

"تم مجھے پلاسٹک کا بے جان کھلونا سمجھ رہی ہو، جس کے پیٹ میں نمک بھرا ہوا ہے!"

"تو پھر اور تم کیا ہو؟" جمّو نے حیرت اور خوف سے ملی جلی آواز میں سوال کیا۔

"کیا واقعی تم یہ جاننا چاہتی ہو؟"

"بالکل جاننا چاہتی ہوں!"

"تو پھر مہربانی کر کے تم یہ بتّی بجھا دو۔" اس نے ایک بار پھر آنکھیں جھپکائیں۔

"یہ کس واسطے؟" جمّو کی حیرت بڑھتی جا رہی تھی۔

"دیکھو بی بی! میں اس تمھاری دُنیا کا

رہنے والا تو نہیں ہوں، جو اتنی تیز روشنی برداشت کروں۔ میں تو بس اس چاند کی ٹھنڈی ٹھنڈی روشنی میں بات کرسکتا ہوں، جو اِس تمھاری کھڑکی کے اُس طرف درختوں کے جھنڈ میں سے جھانک رہا ہے۔"

جمّو نے ہاتھ بڑھا کر بجلی کا سوئچ بند کر دیا اور روشنی کے ختم ہوتے ہی کمرہ نرم نرم چاندنی سے بھر گیا۔

"شکریہ ننھی بی۔ اب میری جان میں جان آئی، تمھاری یہ پیلی پیلی روشنی میری آنکھیں پھوڑے ڈال رہی تھی۔"

"اچھا! اب تم اپنا وعدہ پورا کرو اور یہ بتاؤ کہ تم کون ہو؟" جمّو نے بے صبری سے کہا۔

"میں کون ہوں؟" وہ ہنسا، "اگر میں تمھیں بتاؤں تو کیا تم یقین کر لوگی؟"

"ہاں کیوں نہیں اگر تم سچ بولو گے تو یقین کرنا ہی پڑے گا۔"

"تو سُنو، دیکھو چیڑ اور سینبل کے ان درختوں سے پرے اور بہت اُوپر جہاں سے منکیال کا یہ نالہ آتا ہے، اس سے بھی آگے پرستان ہے اور میں اس پرستان کے بادشاہ کا سب سے چھوٹا بیٹا ہوں۔ ہماری دنیا میں نہ تو اِتنی تیز روشنیاں ہیں اور نہ اتنی طرح طرح کی آوازیں۔ اُف تمھاری اِس دنیا میں تو بڑا شور ہے۔"

"لو۔" جمّو ہنسی، "تم نے ابھی شور دیکھا ہی کہاں ہے، تم تو اس چھوٹے سے چُپ چاپ اور تقریباً غیر آباد پہاڑی علاقے کے ایک گھر میں بیٹھے ہو، اور جو تم نیچے ہمارے میدانوں کی دنیا میں اُتر آؤ تو پھر دیکھو وہاں کی سڑکوں پر کتنی آوازیں اور کتنا شور ہے۔ یہاں پر زندگی ہے ہی کب، ابھی تم نے سڑکوں کا شور اور کارخانوں کی آوازیں نہیں سُنیں۔"

"ہاں میں نے سن رکھا ہے کہ وہاں بہت شور اور ہنگامہ ہے اور وہاں بڑی خود غرضی ہے، دھوکہ بازی ہے۔"

"خالی سُن لینے سے کیا ہوتا ہے تم جاکر دیکھو تو پتہ چلے وہاں اسکول ہیں، اسپتال ہیں، ڈاک خانے ہیں اور ہوٹل ہیں۔ وہاں کی زندگی بڑی رونق کی اور آرام دہ ہے۔"

"اچھا تو پھر یوں کہو کہ تمھارے میدانوں کی دُنیا میں دُکھ بالکل نہیں۔" وہ پھر ہنسا۔

"ہاں شہروں میں سب بڑے آرام اور

سکون سے رہتے ہیں۔"
چاند کی دودھ جیسی سفید اور ملائم کرنوں میں نظر آتا ہوا پلاسٹک کا بچہ اتنے زور سے ہنسا کہ جمو چونک پڑی۔
"چھوٹی لڑکی ایسی بات مت کہو۔ میں نے بھی ایسی ہی غلط بات سوچی اور کہی تھی اور جس کی سزا میں بھگت رہا ہوں۔"
"سزا! کیسی سزا؟" جمو نے سوال کیا۔
"یہی کہ میں ایک پلاسٹک کے بچّے کی شکل میں کھانے کی اِس میز پر اپنے پیٹ میں نمک لیے کھڑا ہوں۔ اچھا اب تم پوری بات سُنو۔ میں پرستان کے بادشاہ کا سب سے چھوٹا اور لاڈلا بیٹا ہوں اور پرستان کتنا خوب صورت اور کتنے سکون کی جگہ ہے میں تم سے کس طرح بیان کروں۔"
جمو اس کی بات کاٹ کر بولی، "ہاں میں نے سُن رکھا ہے۔ وہ پھولوں، خوب صورت چشموں اور نالوں کی دنیا ہے اور وہاں چھوٹی چھوٹی کھمبیوں کے سائے تلے پریاں تمام رات ناچا اور کھیلا کرتی ہیں، وہاں کوئی دکھ ہے اور نہ کوئی کام۔"
"ہاں بس یہی غلطی تو میں نے کی تھی۔ یہ تو ٹھیک ہے کہ پرستان میں لہلہاتے پھول ہیں، گاتی ندیاں ہیں، چلتے نالے ہیں، لیکن اس جگہ بھی دُکھ ہیں، وہاں بھی کام کرنے والی پریوں اور پریزادوں کو کام سے مہلت نہیں ملتی لیکن میری غلطی یہ تھی کہ میں سمجھتا تھا کہ ہر کسی کی زندگی اتنی خوش و خرّم اور بے فکر ہے، جیسی میری اپنی اور اس خیال نے مجھے خود غرض اور ہر کسی سے بے پرواہ بنا دیا تھا۔ میرے ابّا جان نے مجھے بہت بار سمجھانے کی کوشش کی۔ وہ مجھ سے کہا کرتے تھے کہ اپنی خوشی میں دوسروں کو مت بھول جاؤ، ان کے دُکھ اور فکروں کو بھی یاد رکھّو اور ان کو مٹانے کی کوشش کرنا۔ مجھے ان کی بات پر ہنسی آتی تھی کہ دنیا میں درد و غم موجود ہو تو اس کو یاد کروں۔ وہ میری ان باتوں سے اکثر پریشان رہا کرتے تھے۔ آخر ایک دن انھوں نے اپنے بُوڑھے استاد سے ذکر کیا کہ مجھے اپنا یہ بیٹا بہت پیارا ہے اور میں نہیں چاہتا کہ میرا بیٹا خود غرض اور دوسروں کے دُکھ درد سے بے پروا ہو اور انھوں نے ان کو ایک ترکیب بتائی۔ چنانچہ دوسرے دن ابّا جان نے مجھے بلا کر حکم دیا کہ تمھیں اب کچھ دن کے لیے کام کرنے والی پریوں اور مزدور پری زادوں میں جا کر رہنا ہے اور پھر کچھ عرصہ وہاں گزار کر

تم کو انسانوں کی دنیا میں جاکر رہنا ہوگا۔

اور اسی دن میں محل سے نکل کر معمولی اور کام کرنے والے پری زادوں اور پریوں کی بستی میں چلا گیا اور وہاں جاکر مجھے پتہ چلا کہ اپنے بادشاہ اور اونچے درجے کی پریوں کے لیے ان کام کرنے والی پریوں اور پریزادوں کو کیا کچھ کرنا پڑتا ہے۔ چھوٹی لڑکی! پریوں کے جو کام تم نے کہانیوں میں آناً فاناً ہوتے سُنے ہوں گے، ان کو انجام دینے کے لیے ان کو بڑی مشکلوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، بالکل اسی طرح جس طرح تمھیں نہیں معلوم کہ تمھاری خوشی اور آرام کی خاطر نہ جانے کتنے لوگوں کو اپنا خون پسینہ ایک کرنا پڑتا ہے۔ ان لوگوں کے ساتھ رہ کر میں نے ہر کام کیا اور ہر تجربے سے گزرا اور اب میرے تجربے کی ایک منزل باقی تھی، چنانچہ جب میں وہ مدّت ختم کر کے اپنے محل میں گیا تو پھر میرے بازوؤں پر سے میرے پر الگ کر دیے گئے اور مجھ کو اس موجودہ شکل میں تبدیل کر کے سوات کے ایک شہد کے کارخانے میں رکھ دیا گیا اور یہاں پر میں اکیلا نہ تھا، بلکہ میری شکل کے بے شمار بچّے کھڑے تھے اور اُن ہی کے درمیان مجھے رکھ دیا گیا تھا، تاکہ کسی کو شبہ نہ ہو، اس کارخانے میں رہ کر میں نے انسانوں کو شہد جمع کرتے، اس کو صاف کرتے اور پھر میرے جیسے بچّوں میں بھرتے دیکھا۔ اوروں کے ساتھ میرے اندر بھی میٹھا اور سنہرا شہد بھر دیا گیا اور یہ شاید اِس لیے تھا کہ میرے ابّا جان کو احساس ہو گیا تھا کہ اِتنے پری زادوں کے ساتھ کام کر کے اور اُن کی مصیبتوں کو دیکھ کر میرا دل نرم ہو چلا تھا، ورنہ نہ معلوم کہ مجھے کس روپ میں تبدیل کیا جاتا اور کون سی مشقت میں ڈالا جاتا۔ شہد کے کارخانے سے لے کر اِس گھر میں پہنچنے تک جو کچھ میں نے دیکھا، اُس نے میرا دل پگھلا دیا ہے۔ تم کہتی ہو کہ میں نے میدان کی زندگی نہیں دیکھی۔ یہ تمھارا خیال ہے۔ ہمیں کارخانے سے نکال کر بکسوں میں بند کر کے ٹرک پر لاد کر نیچے بھیجا گیا، پھر وہاں سے ہم دُکانوں اور مارکیٹوں میں لے جائے گئے، یہ اتفاق تھا کہ ان ہی دنوں تمھاری پھپّو جان پشاور کی ایک مارکیٹ سے شہد خریدنے گئیں تو شہد سے بھرے کسی معمولی سے پلاسٹک کے بچّے کے بجائے میں پرستان کا شہزادہ ان کے حصّے میں آیا اور میں ایک بار پھر میدان سے اِدھر واپس آ گیا۔

مجھے پرستان سے رخصت کرتے وقت بتایا گیا تھا کہ اب تمھاری خطاؤں کی معافی اور پرستان کو واپسی جب ہو گی جب دوسروں کے دکھ درد کا احساس تمھارے دل کو پوری طرح پگھلا دے گا اور پورے چاند کی کسی رات کو تمھارے ہونٹوں سے آہ نکل جائے گی اور آج ایسا ہی ہوا کہ بے اختیار میرے مُنھ سے آہ نکلی، جس نے تمھیں چونکا دیا۔ اب مجھے محسوس ہو رہا ہے وہ لوگ مجھے پرستان سے لینے آ رہے ہیں، سُنو سُنو، دیکھو وہ کیسی چھُن چھُن کی آوازیں آ رہی ہیں، جیسے گھونگرو سے بج رہے ہوں۔ میرے کانوں میں پرستان کے گیتوں کی آوازیں آ رہی ہیں۔ وہ سنو کیسے میٹھے ترانے ہیں۔"

دھیرے دھیرے بچّے کا وجود تحلیل ہوتا گیا اور دیکھتے دیکھتے وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

جمّو نے ایک گہری سانس لی اور میز پر سر ٹکا دیا۔

عشا کی نماز سے فارغ ہو کر پھپو جان اس طرف آئیں تو انھوں نے جمّو کو جگا دیا۔

"بیٹی، تم یہاں بیٹھے بیٹھے کتاب پر سر رکھے سو رہی ہو۔" جمّو چپکے سے اُٹھ کر اپنے بستر میں جا لیٹی۔

دوسری صبح ناشتے کے وقت نمک کا بچّہ میز پر سے غائب تھا۔ پھپّو جان کا خیال تھا کہ خانساماں کا لڑکا اٹھا لے گیا ہے، اس لیے کہ اس کی نظر بہت دن سے اس پر تھی۔ جب اس میں شہد تھا جب سے ہی، مگر جمّو کا خیال کچھ اور ہی تھا!

معلومات

- ★ دنیا کی چھت (سطح مرتفع پامیر)
- ★ زمردوں کا جزیرہ (آئرلینڈ)
- ★ بحرِ رُوم کی کنجی (جبرالٹر)
- ★ ابھرتے ہوئے سورج کی سرزمین (جاپان)
- ★ تاریک برّاعظم (افریقہ)
- ★ سفید ہاتھوں کا ملک (سیام)
- ★ بازاروں کا شہر (قاہرہ، مصر)
- ★ مندروں کا شہر (بنارس)
- ★ بہشتِ ارضی (کشمیر)
- ★ مقدّس سرزمین (فلسطین)
- ★ آنسوؤں کا دروازہ (باب المندب بحیرۂ قلزم)

محمد جمیل اختر


MILK

ایک ایسے بادشاہ کے لیے جس کے سولہ بچے ہوں، ایک کمرے کا محل بہت چھوٹا ہے۔



چٹان پر محل



کسی زمانے میں ایک بادشاہ تھا، جس کا محل ایک چٹان پر تھا۔ اس چٹان پر ایک کمرہ سے زیادہ گنجائش نہیں تھی۔ اس لیے یہ محل ایک ہی کمرے کا تھا۔ محل میں جانے کے لیے کوئی راستہ نہیں تھا، کیوں کہ چٹان چاروں طرف سے اونچی تھی۔ آنے جانے کے لیے ایک رسّی لٹکائی گئی تھی، جس کو پکڑ کر اوپر

محل تک چڑھا جا سکتا تھا۔

بادشاہ جس شہر پر حکومت کرتا تھا، یہ چٹان اس کے بیچوں بیچ واقع تھی۔ جب تک بادشاہ جوان تھا، وہ اور ملکہ اس محل میں خوش خوش رہا کرتے تھے، لیکن جیسے جیسے ان کی عمریں بڑھیں، بچے بھی بڑھتے گئے۔ اس ایک کمرے میں رہنا مشکل ہوگیا۔ بادشاہ سے ملکہ بار بار کہتی کہ اب بچوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے۔ اس ایک کمرے میں گزارا ہونا مشکل ہوگیا ہے، اس لیے ایک اور کمرہ بنوانا ضروری ہے۔ اس پر بادشاہ یہی جواب دیتا کہ کمرہ کہاں بنواؤں اس چٹان پر تو کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اسی ایک کمرے نے چٹان کی ساری جگہ گھیر رکھی ہے۔

پھر بھی بادشاہ کو یہ فکر تھی کہ اس کا کچھ نہ کچھ بندوبست کرنا ہی پڑے گا۔ آخر ایک دن اس نے اپنے وزیر اعظم کو محل میں طلب کیا۔ وزیر اعظم لمبی ڈاڑھی والا ایک بوڑھا آدمی تھا۔ اس کو رسّی پکڑ کر محل پر چڑھنا اترنا پسند نہیں تھا، لیکن جب بادشاہ اس کو حاضر ہونے کا حکم دیتا تھا تو بیچارے کو یہ مصیبت بھگتنی ہی پڑتی تھی۔

جب وزیر اعظم حاضر ہوا تو بادشاہ نے کہا، "دیکھو، میرے اب سولہ بچے ہو گئے ہیں۔ یہ بچے، میں اور ملکہ ہم سب کو اسی ایک کمرے میں گزارا کرنا پڑتا ہے۔ دیکھو اس کمرے کی کیا گت بنی ہے۔"

کمرے میں درحقیقت بڑی ابتری تھی۔ کمرے کے بیچ میں بادشاہ اپنے تخت پر بیٹھا ہوا تھا۔ دو بچے اس کی ٹانگوں کے درمیان اپنے کھلونے کی ریل چلا رہے تھے۔ ایک چھوٹی شہزادی کوئلوں کی ٹوکری میں بیٹھی ہوئی تھی، کیوں کہ اس کے بیٹھنے کے لیے کوئی کرسی خالی نہیں تھی۔ ملکہ نے نہایت ہنرمندی سے دو پردوں کے کنارے اس طرح سی دیے تھے کہ وہ تھیلے سے بن گئے۔ ان میں دو بچے بیٹھے ہوئے تھے۔ بڑا شہزادہ اپنے کھلونے کے پستول میں پانی بھرے کھڑا تھا۔ جوں ہی ان

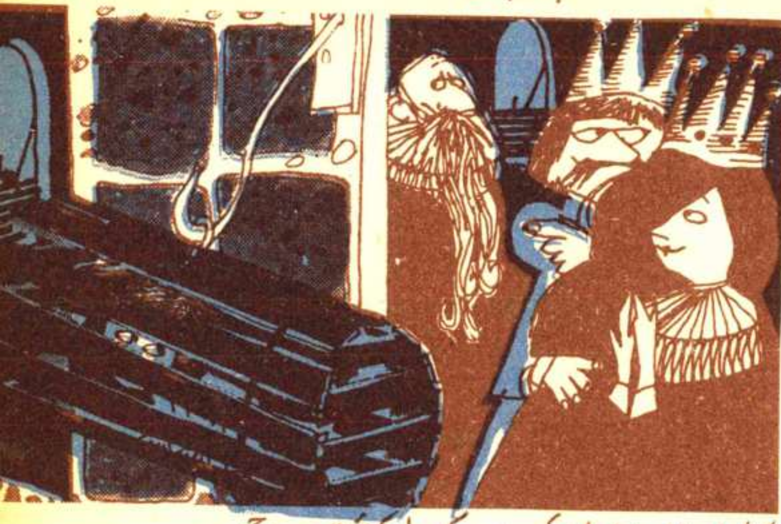


دونوں میں سے کسی کا سر باہر نکلتا، وہ اپنا پستول چلا دیتا، جس کی نالی سے پانی نکل کر ان بچّوں کے سروں میں جا لگتا۔ دوسرے دو بچے بادشاہ کی میز پر چڑھ گئے اور وہاں سے دوات اٹھا کر دودھ کے برتن میں روشنائی انڈیلنے لگے۔ ملکہ کے گھٹنوں پر دو تین بچّے جا بیٹھے۔ سب سے چھوٹا بچّہ بادشاہ کے تاج کے اندر سو رہا تھا، جو ایک کھونٹی سے الٹا لٹکا ہوا تھا۔

وزیر اعظم نے چوطرف نظر ڈال کر اس تماشے کو دیکھا اور دل ہی دل میں مان گیا کہ واقعی بادشاہ کا اس ایک کمرے میں گزارا ہونا مشکل ہے، لیکن سوال یہ تھا کہ آخر کیا کیا جائے۔ اس نے بادشاہ سے کہا، "حضور، اس مسئلہ پر ذرا غور و فکر کی ضرورت ہے۔ اس کے لیے مجھے کچھ وقت دیا جائے۔"

بادشاہ نے کہا، "اچھا، بہت جلد سوچ کر کوئی سبیل نکالو۔ اگر ایک ہفتہ کے اندر تم نے کوئی صورت نہیں نکالی تو پھر تمھارے لیے برا ہوگا۔"

یہ سن کر وزیر اعظم بہت پریشانی کے عالم میں رسّی پکڑ کر محل سے نیچے اتر گیا۔ گھر جاتے ہوئے وہ راستہ بھر یہی سوچتا چلا جاتا تھا کہ اس کے لیے کیا تدبیر کرے کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ گھر پہنچتے ہی یکایک اس کو یاد آیا کہ شہر سے بہت دور سمندر کے ساحل پر ایک بہت ہی



عقل مند بوڑھا رہتا ہے۔ وہی ایک ایسا شخص ہے، جو مجھے اس مصیبت سے نکلنے کی کوئی تدبیر بتا سکتا ہے۔ یہ خیال آتے ہی اس نے اپنی بائیسکل نکالی اور اس پر سوار ہو کر سمندر کی طرف چل پڑا۔ ساحل خاصا دور تھا۔ راستہ میں کئی پہاڑیوں پر چڑھنا اترنا پڑتا تھا۔ غرض سائیکل چلاتے چلاتے جب وہ ساحل پر پہنچا تو تھک کر چور ہو چکا تھا اور اس کی سانس سینہ میں نہیں سماتی تھی۔

وہ عقل مند بوڑھا سمندر کے کنارے بیٹھا جھینگے پکڑنے کی بڑی بڑی ٹوکریوں کو ٹھیک ٹھاک کر رہا تھا۔ صورت شکل سے یہ بوڑھا آدمی کچھ ذہین نہیں معلوم ہوتا تھا، تاہم وزیر اعظم نے اس سے اپنی مصیبت بیان کی اور اس کے لیے کوئی تدبیر پوچھی۔

بوڑھے نے پوچھا، "تم اپنے ساتھ کتنا روپیہ لائے ہو؟"

وزیر اعظم نے کہا، "اس وقت میرے پاس سولہ اشرفیاں ہیں۔"

بوڑھے نے کہا، "ہاں ٹھیک ہے۔ اتنی رقم سے تم مجھ سے یہ سولہ جھینگوں کی ٹوکریاں خرید سکتے ہو۔ اگر تم یہ خرید لو گے تو میں تم کو ان کے لیے سولہ قلابے مفت دے دوں گا۔"

وزیر اعظم نے کہا، "میں یہ جھینگوں کی ٹوکریاں خرید کر کیا کروں۔ یہ میرے کس کام کی ہیں۔ میں یہاں جھینگے پکڑنے

نہیں آیا ہوں۔"

بوڑھے نے کہا، "غور کرو، سمجھو، تم تو وزیر اعظم ہو، تمھیں تو ایسی معمولی بات کو فوراً سمجھ لینا چاہیے تھا۔ اس ایک کمرے والے محل میں کھڑکیاں کتنی ہیں؟"

وزیر اعظم نے کہا، "سولہ"۔

بوڑھے نے کہا، "تب تو بالکل ٹھیک ہے۔ جلدی کرو، مجھے ان کی قیمت دے دو اور ان لکڑیوں کو لے جاؤ۔"

وزیر اعظم نے ان سولہ لکڑیوں کی قیمت سولہ اشرفیاں بوڑھے کو دے دیں۔ بوڑھے نے حسب وعدہ سولہ قلابے بھی وزیر اعظم کو دے دیے۔ وزیر اعظم نے وہ سولہ لکڑیاں اپنی بائیسکل پر باندھ لیں اور سولہ قلابوں کو اپنی گردن کے اطراف لپیٹ لیا، جو اس کی گردن کے اطراف لٹکتے ہوئے آپس میں ٹکراتے اور جھنجھناتے تھے۔ ان سب کو باندھ بوندھ کر وزیر اعظم بائیسکل پر سوار ہوا اور شہر کا راستہ لیا۔ واپسی کا راستہ اس کو پہلے سے زیادہ کٹھن معلوم ہوا، کیوں کہ بائیسکل پر اتنی لکڑیاں لدی تھیں اور اس کی گردن کے اطراف قلابے لٹک رہے تھے۔ بائیسکل چلاتے چلاتے وزیر اعظم بہت جلد تھک گیا۔ وہ گرد میں اٹ گیا۔ اس کو پیاس لگنے لگی اور چائے بسکٹ کے لیے اس کا دل تڑپنے لگا۔ اس سے پہلے اس کو کبھی چائے کی اتنی شدید خواہش پیدا نہیں ہوئی تھی۔ آخر کار، بہ دقت تمام وہ اپنے گھر پہنچا۔ جلد جلد چائے بنا کر پی اور تمام لکڑیاں اور قلابے لے کر محل والی چٹان کے پاس پہنچ کر رسی کی مدد سے اوپر محل میں جا پہنچا۔

اب جا کر دیکھا تو محل کی پہلے سے زیادہ درگت بنی ہوئی تھی۔ لڑکوں کی شرارتیں پہلے سے دگنی بڑھی ہوئی تھیں۔ بادشاہ اور ملکہ پاگل ہوئے جا رہے تھے۔

وزیر کو دیکھ کر بادشاہ نے کہا، "اگر تم کوئی واقعی اچھی تجویز سوچ کر آئے ہو تو میں تمھیں اشرفیوں سے بھری ہوئی دس تھیلیاں انعام میں دوں گا۔"

وزیر اعظم نے کہا، "جی ہاں حضور، میں بہت معقول تدبیر لے کر آیا ہوں۔"

اس نے تمام ٹوکریوں کو فرش پر رکھ دیا اور ہر ٹوکری کے اندر مٹھائی کی ایک ایک پڑیا رکھتا چلا گیا۔ جب تمام ٹوکریوں کے اندر مٹھائی کی تمام پڑیاں رکھ دیں تو وہاں سے اس طرح ٹل گیا کہ گویا ٹوکریوں کو بھول ہی گیا ہو۔ اب وہ ایک ایک کھڑکی کے پاس جاتا اور کھڑکی کے باہر جھک کر ایک ایک قلابہ باندھتا چلا گیا۔

بچوں نے ٹوکریوں کے اندر رکھی ہوئی مٹھائی کی پڑیوں کو بہت جلد دیکھ لیا، کیوں کہ وہ جھینگے پکڑنے کی ٹوکریاں اس ترکیب کی بنی ہوئی تھیں کہ ان کے اندر کی چیزیں باہر سے صاف نظر آتی تھیں۔ ہر ٹوکری میں ایک بڑا سا سوراخ تھا، جس میں سے بڑا بڑا جھینگا اندر داخل تو ہو سکتا تھا، لیکن داخل ہونے کے بعد باہر نہیں نکل سکتا تھا۔

بچوں نے جب ان کے اندر مٹھائی کی پڑیا دیکھی تو ایک ایک ٹوکری میں ایک ایک بچہ گھس گیا، اور مٹھائی کی پڑیا کھول کر مٹھائی کھانے لگا۔ جب مٹھائی ختم ہو گئی تو انھوں نے باہر نکلنے کی کوشش کی، لیکن کسی طرح باہر نکل نہیں سکتے۔ اب انھوں نے شور مچانا شروع کیا کہ ہمیں باہر نکالو۔

وزیر اعظم نے کہا، "ایسا ہر گز نہیں ہو گا۔ تم کو انھیں ٹوکریوں میں رہنا پڑے گا۔"

یہ کہہ کر وہ ایک ایک ٹوکری اٹھا کر کھڑکی کے باہر قلابے میں لٹکاتا گیا۔ اس کے بعد اس نے بادشاہ اور ملکہ سے کہا، "حضور اب یہ پورا کمرہ آپ دونوں کا ہے، اب آپ اس میں کچھ اطمینان کے ساتھ رہ سکتے ہیں۔ تمام بچے قریب ہی ہیں جب کھانے کا وقت آئے تو آپ ان سب کو وہیں ٹوکری میں کھانا پہنچا سکتے ہیں۔ اگر وہ بہت شور مچائیں تو صرف کھڑکیاں بند کر دینا کافی ہو گا۔"

وزیر اعظم کی اس ترکیب سے بادشاہ اور ملکہ بہت خوش ہوئے اور اس پر فخر محسوس کرنے لگے کہ ان کا وزیر اعظم اتنا ہوشیار ہے کہ کسی اور بادشاہ کو ایسا وزیر اعظم نصیب نہیں ہوا۔ دونوں نے خوش ہوکر حسب وعدہ دس تھیلیاں اشرفیوں کی انعام دیں۔ وزیر اعظم نے اپنے گھر آکر دوسری مرتبہ چائے بنائی اور اطمینان سے مزے لے لے کر پی۔ کھانا کھاتے وقت وہ اپنی کھڑکی میں سے بادشاہ کے محل کو دیکھتا رہا، جس کی ہر کھڑکی کے نیچے ایک جھینگے کی لڑکری لٹک رہی تھی اور دور سے بہت بھلی معلوم ہو رہی تھی۔ ہر ایک لڑکری ایک ایک پیارے شہزادہ یا شہزادی کا گہوارہ تھی۔

کیوی

زیادہ تر چڑیوں کی سونگھنے کی قوت کمزور ہوتی ہے، لیکن نیوزی لینڈ کی "کیوی" سونگھ سونگھ کر اپنی غذا تلاش کرتی ہے۔ اُس کی چونچ لمبی ہوتی ہے جس کے آخر میں اس کے نتھنے ہوتے ہیں۔ کیوی نہایت عجیب وغریب چڑیا سمجھی جاتی ہے اور وہ بہت کم تعداد میں ملتی ہے۔ اس کے جسم پر بھورے بال ہوتے ہیں، لیکن وہ نظر نہیں آتے۔ کیوی چڑیا دن بھر سوتی ہے، صرف رات کے وقت غذا تلاش کرنے نکلتی ہے۔ چونچ کے قریب اُس کے دھاگے جیسے پَر ہوتے ہیں جس طرح بلّی کے منھ کے قریب اُس کی مونچھیں لگی ہوتی ہیں۔ رات کے وقت کیوی اِن پَروں کی مدد سے راستہ تلاش کرتی ہے۔



سمندر کا بوڑھا آدمی

مناظر صدیقی

میاؤں میاؤں کرتی خالہ بی بی کی خوب صورت بلی جب گھر میں آتی ہے تو جی چاہتا ہے کہ اس خوب صورت بلی کو پکڑ کر اپنے پاس بٹھائیں۔ اُس کے بدن پر ہاتھ پھیریں اور اُسے پیار کریں۔ بلی کے نرم نرم بالوں پر ہاتھ پھیرنا بچوں بڑوں سب ہی کو اچھا معلوم ہوتا ہے۔ بعض سفید بلیوں کو دیکھ کر جی چاہتا ہے کہ ان کو گود میں اٹھائے اٹھائے پھرتے رہیں۔

انگریزی رسالوں اور انگریزی فلموں کی تصویروں میں بعض عورتیں اپنی گردن پر سفید اور کالے بالوں والی کھال لپیٹے رہتی ہیں۔ ان کھالوں کو دیکھ کر فوراً بلی کی کھال یاد آجاتی ہے، کیوں کہ یہ بھی ویسی ہی ملائم اور بالوں والی کھال ہوتی ہے، جنھیں یہ انگریز عورتیں اپنی گردن پر ڈالے

رہتی ہیں۔ بعض بڑی کھالوں کے کوٹ بھی بنا لیے جاتے ہیں۔ ان کھالوں کو فر (FUR) کہتے ہیں۔ یورپ کے سرد ممالک میں ان کھالوں کا بہت زیادہ استعمال ہوتا ہے۔

یہ کھالیں یوں تو بہت سے جانوروں سے حاصل کی جاتی ہیں لیکن ان میں بلی کی کھال بہت زیادہ قیمتی ہوتی ہے۔ بلی کے نام سے تم کہیں یہ نہ سمجھ لینا کہ ہمیں روزانہ گھر میں جو بلیاں نظر آتی ہیں، یہ کھال اُن ہی بلیوں سے حاصل کی جاتی ہے۔ ہماری گھریلو بلی کی کھال تو اس کام کے لیے بالکل بیکار ہوتی ہے۔ جس بلی کی کھال کو اس مقصد کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، وہ پانی کی بلی ہوتی ہے، جسے "اود بلاؤ" بھی کہتے ہیں۔

تم نے چڑیا گھروں میں اود بلاؤ ضرور دیکھے ہوں گے۔ ایک پانی کا بڑا سا حوض بنا ہوتا ہے، جس میں انھیں رکھا جاتا ہے۔ کراچی کے چڑیا گھر میں بھی کچھ اود بلاؤ پلے ہوئے ہیں۔ پاکستان کے دوسرے بڑے شہروں کے چڑیا گھروں میں بھی اود بلاؤ پلے ہوئے ہیں۔ شہر لکھنؤ کے چڑیا گھر میں پلے ہوئے اود بلاؤ تو بڑا تماشا دکھاتے ہیں۔ اس چڑیا گھر میں آنے والے لوگ اود بلاؤ کے حوض میں پیسے یا مچھلیاں پھینکتے، پھر وہ اود بلاؤ پیسوں کو ڈوبنے سے پہلے ہی پکڑ لیتا اور اس طرح مچھلیوں کو پانی میں جانے سے پہلے ہی منہ میں پکڑ لیتا۔ مچھلیاں تو خود کھا جاتا اور پیسے آدمیوں کو بتا کر اپنے گھر میں لے جاتا، جو حوض کے درمیان میں خاص طور سے بنایا گیا تھا۔

چڑیا گھروں میں جو اود بلاؤ پلے ہوتے ہیں، ان کا قد گھریلو بلی سے کچھ ہی بڑا ہوتا ہے اور رنگ گہرا بھورا۔ یہ دراصل دریاؤں میں پائے جانے والے اود بلاؤ ہوتے ہیں۔ ان کی کھال بھی اوڑھنے اور کوٹ بنانے کے کام نہیں آتی۔ اس کام کے لیے سمندر میں پائے جانے والے اود بلاؤ کی کھال کام آتی ہے۔

انگریزی زبان میں انھیں

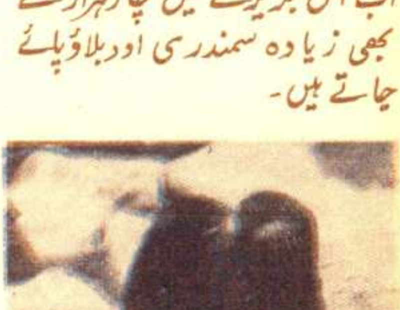
سی آٹر (SEA OTTER) کہتے ہیں۔ ان کی زیادہ تعداد شمالی امریکا، الاسکا، جاپان وغیرہ میں پائی جاتی تھی۔ ایک زمانے میں ان کی کھالوں کی تجارت اتنی عروج پر تھی کہ روس اور امریکا کے تاجروں نے ان کا شکار کر کے ان کی نسل ہی ختم کر دی۔ خاص طور پر الاسکا اور کیلی فورنیا میں تو ان کی نسل بالکل ہی مٹ گئی تھی۔ ۱۸۶۰ء سے پہلے الاسکا اور الوشیا کے جزیروں میں ان کا شکار کثرت سے کیا جاتا تھا۔ بعد میں امریکی حکومت نے ان کے شکار پر پابندی لگا دی، جس کی وجہ سے ان کی نسل باقی بچ گئی ورنہ آج دنیا میں سمندری اودبلاؤ دیکھنے کو بھی نہیں ملتے۔

سمندری اودبلاؤ کے دو بڑے ہی جانی دشمن ہیں جن کی وجہ سے ان کی زندگی ہمیشہ خطرے میں رہتی ہے۔ ان میں سے ایک تو سمندر کی بڑی وہیل مچھلیاں ہیں، جو ان غریبوں کو نگل جاتی ہیں اور دوسرا دشمن انسان۔ حضرت انسان اپنے ذاتی فائدے یعنی کھالوں کی تجارت کی خاطر ان کا شکار کر لیتے ہیں۔ ان کی کھالیں بہت قیمتی ہوتی ہیں۔ کہتے ہیں کہ بعض بعض کھالیں تو ایک ہزار پونڈ، یعنی تقریباً بارہ ہزار رُپے سے بھی زیادہ میں فروخت ہوتی ہیں۔

ان کھالوں کی وجہ سے الاسکا اور الوشیا کے جزیروں میں بعض وقت بڑے بڑے سمندری ڈاکے بھی ڈالے گئے ہیں۔ بہت سے قبیلوں کا قتل عام بھی کیا گیا ہے۔ یہ قبیلے وہ تھے، جن کے پاس سمندری اودبلاؤ کی کھالوں کا بہت بڑا ذخیرہ تھا۔

۱۹۱۰ء میں جب امریکا نے الاسکا خرید لیا تو اُس کے بعد سمندری اودبلاؤ کے شکار پر باقاعدہ پابندی عائد کر دی گئی۔ ۱۹۳۰ء میں امریکا کی بحری فوج اور سمندری محافظوں کو پتہ چلا کہ جاپان کے بعض ماہی گیر غیر قانونی طور پر جال ڈال کر انھیں پکڑ لیتے ہیں، چناں چہ اُس کے بعد سے امریکہ کی حکومت نے فوج کے گشتی دستے مقرر کیے۔

امریکا اور جاپان کے درمیان امچیتیکا کے جزیروں میں سمندری اود بلاؤ خاصی تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ ان جزیروں کے چاروں طرف سمندر میں بہت سی چٹانیں ابھری ہوئی ہیں۔ یہ اود بلاؤ انہی چٹانوں میں رہتے ہیں۔ جس زمانے میں جنگ ہو رہی تھی، اُن دنوں جنگ کی وجہ سے ماہی گیری کا سلسلہ بالکل بند تھا، اس لیے سمندری اود بلاؤ کی نسل کو پھلنے پھولنے کا خوب موقع مل گیا۔ اب اس جزیرے میں چار ہزار سے بھی زیادہ سمندری اود بلاؤ پائے جاتے ہیں۔



سمندری اود بلاؤ سمندری چٹانوں کے درمیان بیٹھا ہے

امریکا میں تو اب اتنی سخت پابندی لگا دی گئی ہے کہ جس شخص کے پاس سے سمندری اود بلاؤ کی کھال مل جائے تو اُسے بھی سزا دی جاتی ہے۔ اس سختی کی وجہ سے بحری فوج کے شوقیہ طور پر شکار کرنے والوں نے بھی ان کا شکار چھوڑ دیا۔

دریائی اود بلاؤ اور سمندری اود بلاؤ میں ہر اعتبار سے فرق ہوتا ہے۔ دریائی اود بلاؤ تو حوضوں وغیرہ میں رہ سکتا ہے۔ انسان اسے پال سکتے ہیں، لیکن سمندری اود بلاؤ کو پالا نہیں جا سکتا، کیوں کہ یہ سمندر کے علاوہ کسی بھی جگہ زندہ نہیں رہ سکتا۔

سمندر میں یہ اود بلاؤ زیادہ تر اتھلے، یعنی کم گہرے پانی میں ایسے کناروں کے قریب رہتے ہیں، جہاں پانی کے نیچے بہت سی چٹانیں اور غار ہوں۔ ایسی جگہ یہ اس وجہ سے پسند کرتے ہیں، تاکہ وہیل مچھلیوں اور انسانوں کے حملے سے ضرورت کے وقت ان چٹانوں کی اوٹ میں پناہ لے سکیں۔ اس کے علاوہ یہ ان چٹانوں پر کھیل کود کر اپنا

وقت اطمینان سے گزار سکتے ہیں۔

سمندری اود بلاؤ، وہیل مچھلیوں اور انسانوں سے ہمیشہ چوکنے رہتے ہیں۔ چٹانوں پر بیٹھ کر یہ سمندر کو گھورتے رہتے ہیں، تاکہ اگر کہیں وہیل مچھلی یا انسان دور سے بھی نظر آجائے تو یہ فوراً پانی میں غوطہ لگا جائیں۔ سورج کی تیز روشنی جب سمندر کے پانی پر پڑتی ہے اور اس سے چمک پیدا ہوتی ہے تو یہ سمندری اود بلاؤ اس چمک سے بچنے کے لیے اپنے اگلے پنجے اپنی آنکھوں پر بالکل اس طرح رکھ لیتے ہیں، جیسے ہم انسان دھوپ سے بچنے کے لیے اپنے ہاتھ سے آنکھوں پر سایہ کر لیتے ہیں۔

صرف یہی ایک بات ان میں انسانوں جیسی نہیں ہوتی، بلکہ اور بھی بہت سی حرکتیں اور باتیں ان میں انسانوں جیسی ہوتی ہیں۔ اس لیے بعض لوگ اسے "سمندر کا بچّہ" اور بعض "سمندر کا بوڑھا آدمی" کہتے ہیں۔ تمھیں ان دونوں ناموں پر تعجب تو ضرور ہوگا کہ ایک ہی چیز کے یہ دو نام کیسے، جو ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں؟ کہاں بوڑھا آدمی اور کہاں بچّہ؟ لیکن سچّی بات یہ ہے کہ یہ دونوں نام لوگوں نے غلط نہیں رکھے ہیں۔

سمندری اود بلاؤ جب جوان ہو جاتا ہے تو اس کا قد چار فیٹ ۷ انچ ہو جاتا ہے اور وزن پچاس پونڈ۔ اس کے سر کے بال فاختئی، یعنی بالکل فاختہ کے پروں کی رنگت کے ہوتے ہیں۔ یہ بال سر کے علاوہ شانوں پر بھی ہوتے ہیں۔ منھ پر سخت اور بڑی بڑی مونچھیں ہوتی ہیں، جو نیچے کی طرف جھکی ہوئی ہوتی ہیں اور دیکھنے میں یہ بالکل بوڑھے آدمیوں ہی کی طرح معلوم ہوتا ہے، لیکن یہ سمندر میں بالکل بچّوں کی طرح کھیلتا رہتا ہے۔ اپنی شرارت اور پھرتی کے اعتبار سے یہ بالکل بچّوں کی طرح ہوتا ہے، اس لیے اس کے یہ دونوں نام بالکل موزوں ہوتے ہیں۔

سمندری اود بلاؤ، دریائی اود بلاؤ کے مقابلے میں خاصہ بڑا ہوتا ہے۔ سمندر میں تیرتے وقت یہ اپنے پچھلے پیروں سے کام لیتا ہے۔ اس کے پچھلے



سمندری اودبلاؤ پانی کی لہروں پر چت لیٹا ہے سینہ اوپر کی طرف ہے جو میز کے کام بھی آتا ہے۔

پیر بالکل قینچی کی طرح چلتے رہتے ہیں۔ تیرتے وقت سمندری اودبلاؤ اپنے اگلے پیروں کو اپنے سینے پر جمائے رکھتا ہے۔

یہ جانور اپنے سینے کو میز کے طور پر بھی استعمال کرتا ہے۔ اس کی غذا ایک خاص قسم کا سمندری کیڑا ہوتی ہے۔ یہ ان کیڑوں کو پکڑ کر اپنے سینے پر رکھ کر چت لیٹ جاتا ہے۔ پھر ان کیڑوں کے ٹکڑے کرلیتا ہے۔ اس وقت تک یہ کیڑے اس کے سینے پر ہی رکھے رہتے۔ بعد میں جب یہ تمام کیڑوں کے ٹکڑے کرلیتا ہے تو اطمینان سے ایک ایک ٹکڑا اٹھاکر کھالیتا ہے۔ کبھی کبھی یہ ٹکڑے پانی کی لہر سے اس میز سے نیچے بھی گر جاتے ہیں، لیکن زیادہ دُور تک نہیں بہنے پاتے قریب ہی تیرتے رہتے ہیں۔ اس وقت سمندری اود بلاؤ آرام سے پانی کی سطح پر چت لیٹا ہوا، ان ٹکڑوں کو گھورتا رہتا ہے۔ جب سب ٹکڑے کھاکر ختم کردیتا ہے تو دوچار بار قلابازیاں کھاتا ہے اپنے اگلے پیروں سے گردن اور سر کو دوچار مرتبہ ادھر اُدھر گھماکر انگڑائیاں لیتا ہے

سمندری اود بلاؤ کو اپنے بچوں سے بہت محبت ہوتی ہے۔ کہتے ہیں کہ مادہ اودبلاؤ اپنے بچوں سے دنیا کے تمام جانوروں سے زیادہ محبت کرتی ہے۔ گھروں میں پائی جانے

والی بلّیوں کے ایک وقت میں کئی کئی بچّے ہوتے ہیں، لیکن سمندری اود بلاؤ کے انسان کی طرح ایک ہی بچّہ ہوتا ہے اور یہ ایک بچّہ اپنی اماں کا بہت لاڈلا ہوتا ہے۔ زیادہ تر اپنی ماں کے سینے پر لیٹا رہتا ہے اور ماں اسے پیار سے چاٹتی رہتی ہے۔

جب کوئی خطرہ ہوتا ہے تو مادہ اود بلاؤ اپنے بچّے کو اپنے بازو میں دبا کر پانی کے نیچے کی چٹانوں میں غوطہ لگا لیتی ہے۔ کبھی کبھی یہ انسانوں کی طرح اپنے بچّے سے ناراض بھی ہو جاتی ہے۔ جیسے منّو میاں کی اماں منّو میاں کی کسی شرارت پر ناراض ہو کر انھیں چپت رسید کر دیتی ہیں، اسی طرح مادہ اود بلاؤ بھی اپنے بچّے کو مار دیتی ہے۔ جس وقت یہ اپنے بچّوں کو تیرنا سکھاتی ہے، اُسی وقت عام طور پر یہ اپنے بچّے پر ناراض ہوتی ہے

سمندر کی سفید جھاگ کی طرح اٹھتی ہوئی لہر میں جب کبھی بچہ غوطہ لگانے سے ڈرتا ہے تو مادہ اود بلاؤ اسے تھپڑ مارتی ہے اور جب تک پوری طرح اس کا بچّہ تیرنا سیکھ نہیں جاتا وہ اسی سختی کے ساتھ اُسے تیرنا سکھاتی ہے۔

تمھیں سمندری اود بلاؤ کے سر اور شانوں کے بالوں کی رنگت تو بتا دی گئی، لیکن باقی حصّے کے بالوں کے متعلق بتانا تو بھول ہی گئے۔

سمندری اود بلاؤ کے باقی حصّے کے بال انتہائی ملائم، بالکل ریشم کی طرح اور گہرے سیاہ ہوتے ہیں۔

لطیفہ

ایک کمپنی کے منیجر نے دفتر میں داخل ہوتے ہوئے کلرک سے کہا،

"آپ اتنی دیر کہاں رہے؟"

" جناب بال ترشوانے گیا تھا۔"

" لیکن آپ دفتر کے اوقات میں بال نہیں ترشوا سکتے۔"

" یہ بال دفتر کے اوقات میں بڑھے ہیں۔"

" سبھی تو یہاں نہیں بڑھے ہوں گے۔"

" میں نے سبھی ترشوائے بھی کہاں ہیں جناب۔" کلرک نے آہستہ سے جواب دیا۔



باجی نے دو توتے پالے

ظفر ارشاد



ننھے منے بھولے بھالے
باجی نے دو توتے پالے
اُن کو چائے پلاتی ہیں وہ
مکھن توس کھلاتی ہیں وہ
گرمی میں نہلاتی ہیں وہ
سر سے پیر تلک ہریالے
باجی نے دو توتے پالے

دونوں اک پنجرے کے ساتھی
پھل، ترکاری، سالن روٹی
کھا لیتے ہیں ڈال دو جو بھی
خوش ہوتے ہیں بچے بالے
باجی نے دو توتے پالے

مرچ ہری وہ شوق سے کھائیں
کھا کر مرچیں خوب اترائیں
کرتے ہیں پھر ٹائیں ٹائیں
کھاتے ہیں وہ بارہ مسالے
باجی نے دو توتے پالے


صحت اور عدم صحت
خون ہی کی دو مختلف حالتوں کا نام ہے
صحتمند اور صالح خون
دل میں زندگی، تڑپ اور اُمنگ برقرار رکھتا ہے، دماغ
کو تازگی اور اس کی چھپی ہوئی صلاحیتوں کو اجاگر کرتا ہے،
اعضا کو فولاد کی سی قوت بخشتا ہے اور رگوں میں زندگی
فاسد خون
خراب خون صحت اور حیات انسانی کے لئے
ایک مستقل خطرہ ہے۔ فساد خون سے خارش، کھجلی،
پھوڑے، پھنسیاں، مہاسے، گرمی دانے،
بیماریاں لاحق ہوتی رہتی ہیں۔
خون میں فاسد مادے ہر وقت سرایت کرتے رہتے ہیں۔ ان کو بے اثر بنانے
کے لئے صافی کا باقاعدہ استعمال کیجئے۔ صافی خون کی صفائی اور
تقویت کا بہترین ذریعہ ہے۔
فساد خون کی ایک بہترین دوا ہے۔
جلدی بیماریوں سے بچاتی ہے۔
SAFI
صافی
خون صاف کرنے کی قدرتی دوا
ہمدرد







آنکھوں کا تارا
مستقبل کا سہارا





بچے والدین کی آنکھوں کا تارا اور مستقبل کا سہارا ہیں، کیونکہ یہی آگے چل کر قوم کے دست و بازو بنیں گے۔ ان کی صحت و توانائی اور صحیح تربیت پر ملک کی بہتری کا انحصار ہے۔

کیا مرد اور کیا عورتیں، اب تو سب کو مل کر اپنے ملک کو عروج پر پہنچانا ہے۔ اِس مقصد کے پیشِ نظر معالجوں اور دواساز اداروں پر بھی فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ قوم کے ہر فرد کو امراض سے نجات دلانے میں پوری پوری کوشش کریں۔

ہمدرد اِس فریضے کو ادا کرنے میں مقدور بھر کوشاں ہے۔ اِس کے ماہرین، جو قدیم تجربات اور جدید تحقیقات سے بہرہ ور ہیں، دن رات اِسی دُھن میں لگے رہتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ اور نئی نئی دوائیں کم سے کم قیمت پر مہیا کریں۔ تاکہ ہر خاص و عام کو فائدہ پہنچے۔

نے اپنے آپ کو نوعِ انسانی کی خدمت کے لیے وقف کر رکھا ہے۔ تاکہ بہتر سے بہتر طبی سہولتیں میسر آسکیں۔

ہمدرد

طبِّ مشرقی کے علم بردار
اور دواساز

مسلم ضیائی



جان براؤن

جس نے غلامی کے خلاف لڑتے ہوئے جان دے دی

یہ ایک بڑے آدمی کا قصّہ ہے۔ وہ اب سے کوئی ڈیڑھ سو سال پہلے امرِیکا میں پیدا ہوا تھا۔ اس کا نام جان براؤن تھا۔

جان براؤن اُن لوگوں میں سے ہے، جن کا نام سنہرے حرفوں میں لکھنا چاہیے۔ وہ دنیا کے بڑے بڑے بادشاہوں سے بھی بڑا آدمی تھا، کیوں کہ وہ انسانوں سے نفرت نہیں، محبّت کرتا تھا۔

اس زمانے میں ریاست ہائے متحدہ امریکا میں حبشیوں کے ساتھ بہت بُرا برتاؤ کیا جاتا تھا۔ ان لوگوں کو انگلستان، اسپین اور دیگر یورپی ملکوں کے تاجر افریقہ سے پکڑ پکڑ کر امریکا لے گئے تھے۔ ان لوگوں کو غلام بنا کر ان سے جانوروں کے مانند کام لیا جاتا تھا اور ان کے ساتھ ویسا ہی بُرا برتاؤ کیا جاتا تھا، جیسا ہندستان میں برہمن اچھوتوں کے ساتھ کرتے تھے۔

جان براؤن کو حبشیوں کی حالت دیکھ کر بڑا دکھ ہوتا تھا۔ وہ سوچتا تھا کہ آخر یہ لوگ بھی تو انسان ہیں۔ کالا رنگ ہونے سے کیا ہوتا ہے۔ کسی گورے آدمی کا خون نکالو یا کالے کا، رنگ دونوں کے خون کا ایک ہی ہوتا ہے، پھر ان لوگوں پر ظلم کیوں کیا جاتا ہے؟ ان سے جانوروں کی طرح کیوں کام لیا جاتا ہے؟ ان کے بیوی بچّوں کو گائے بکری کی طرح بازار میں کیوں

بیچا جاتا ہے؟

پھر اسی زمانے میں جان براؤن ایسے نیک لوگوں نے غلامی کے خلاف ایک قانون بنوایا۔ ریاست ہائے متحدہ امریکا شمالی اور جنوبی ریاستوں میں بٹا ہوا ہے۔ شمالی ریاستیں غلامی کے خلاف تھیں اور جنوبی ریاستیں غلامی کو قائم رکھنا چاہتی تھیں۔ ریاست ہائے متحدہ امریکا کے موجودہ صدر لنڈن جانسن بھی جنوبی ریاستوں میں سے ایک ریاست کے رہنے والے ہیں۔

جان براؤن کے زمانے میں غلامی کے مسئلہ پر شمالی اور جنوبی ریاستوں میں جنگ ہوگئی۔ اس وقت جان براؤن کی عمر اٹھارہ سال کی تھی۔ اس نے طے کر لیا کہ اول تو میں کسی لڑائی میں حصّہ نہ لوں گا اور اگر لوں گا تو صرف اپنے وطن کی حفاظت اور محکوم اور مظلوم لوگوں کو آزاد کرانے کے لیے۔

وہ بہادر اور عقل مند تھا۔ ساتھ ہی اپنے اصول کی پابندی کرتا تھا، خواہ اس میں کتنی ہی تکلیف اور کتنا ہی نقصان کیوں نہ ہو۔ وہ ڈسپلن یعنی باقاعدگی چاہتا تھا۔ چناں چہ غلطی پر اپنے آپ کو بھی اسی طرح سزا دیتا تھا، جس طرح دوسروں کو۔

اس زمانے میں بچّوں کی برائیاں دور کرنے کے لیے چھڑی سے کام لیا جاتا اور خوب پٹائی ہوا کرتی تھی۔ جان براؤن نے بھی بچّوں کی مختلف غلطیوں کے لیے مختلف سزائیں مقرر کر رکھی تھیں اور کسی کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کی جاتی تھی۔ ہر خطا کے لیے بید مقرر تھے۔ جان براؤن کے بڑے بیٹے نے ایک جگہ لکھا ہے:

"ایک دن ابا نے مجھے بلا کر میری سزا کا حساب دکھایا اور میری پیٹھ ننگی کر کے بیدوں سے مارنا شروع کیا۔ ابھی ایک تہائی سزا بھی ختم نہ ہوئی تھی کہ اپنی پیٹھ ننگی کر کے کہا، 'باقی میری پیٹھ پر'۔ میں نے انکار کیا تو خفا ہوئے۔ مجبوراً مجھے مارنا پڑا، مگر میں آہستہ آہستہ مار رہا تھا، جس پر وہ اور زیادہ خفا ہوئے۔

تب مجھے زور سے مارنا پڑا۔ سزا پوری ہونے پر میں نے دیکھا تو ابا جان کی پیٹھ سے خون بہہ رہا تھا۔"

بات یہ تھی کہ جان براؤن نے اپنے بیٹے کو اس کی خطاؤں پر سزا دی، لیکن باپ پھر باپ تھا۔ بیٹے کی محبت نے یہ گوارا نہ کیا کہ اسے پوری سزا دی جائے، لہٰذا باقی سزا اپنے لیے مقرر کر لی اور اسے برداشت بھی کیا۔

آپ نے دیکھا کہ جان براؤن کا کیرکٹر یا کردار کتنا بلند تھا!

ایک مرتبہ اس نے اپنے بچپن میں کسی امیر کے گھر میں ایک نہایت ذہین اور اچھے حبشی لڑکے کو دیکھا، جس کے ساتھ نہایت بُرا برتاؤ کیا جاتا تھا۔ اسی روز جان براؤن نے طے کر لیا کہ اس ناانصافی اور ظلم کے خلاف جنگ کروں گا۔ اس کے بیوی بچوں نے مل کر قسم کھائی کہ وہ اس کام کی خاطر اپنی جانیں تک قربان کر دیں گے۔

۱۸۵۵ء میں غلامی کے دشمنوں اور غلامی کے حامیوں میں جنگ چھڑ گئی۔ براؤن اور اس کے خاندان پر بڑی بڑی مصیبتیں پڑیں اور خود براؤن کو قتل کرنے کے لیے جنوبی ریاستوں کی طرف سے انعام مقرر کیا گیا، مگر وہ اپنی دُھن کا پکا اور انسانوں کا دوست، حبشی غلاموں کو منظم کرتا اور ان کے دشمنوں سے مقابلہ کرتا رہا۔

غلامی انسان میں بزدلی پیدا کرتی ہے اور بعض دفعہ تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہتھیار پاس ہونے اور طاقت میں بڑھ کر ہونے پر بھی غلام اپنے دولت مند آقاؤں پر ہاتھ اٹھاتے ہوئے جھجکتے ہیں، بالکل اسی طرح جیسے انگریزوں کی حکومت کے زمانہ میں ہندستان کے باشندے، ظالم انگریز حاکموں کے خلاف ہاتھ اٹھاتے ہوئے ڈرتے اور ان کے سامنے سے ہٹ جاتے تھے۔

براؤن کے زمانے میں حبشیوں کی بھی یہی حالت تھی، مگر براؤن نے ہمّت نہ ہاری۔ وہ ڈٹ کر مقابلہ کرتا رہا۔ اس کے دو بیٹے لڑتے ہوئے مارے گئے۔ تیسرے جوان بیٹے نے بھی آزادی

کی راہ میں لڑتے ہوئے اپنی جان دے دی۔ خود براؤن بھی زخموں سے چور اور تھکن سے خستہ حال ہو کر گر پڑا۔ اسے گرفتار کر کے پھانسی کا حکم سنایا گیا، لیکن اس کے ماتھے پر ایک شکن بھی نہ پڑی اور جب ۲، دسمبر ۱۸۵۵ء کو جیل کا داروغہ اسے پھانسی پر چڑھانے کے لیے آیا تو اس نے پورے اطمینان سے کہا، "چلو، میں تیار ہوں"! پھانسی پر چڑھائے جانے سے پہلے اس نے جو الفاظ کہے، انھیں تاریخ بھلا نہیں سکتی۔

اس نے حبشیوں کی دشمن اور ظالم امریکی حکومت سے کہا:

"تم آسانی سے مجھے مار سکتے ہو۔ میرا آخری وقت ہے، لیکن یاد رکھو، غلاموں کی آزادی کا سوال حل ہو کر ہی رہے گا۔"

جان براؤن مر گیا، لیکن اس کی پیشین گوئی پوری ہو رہی ہے۔ شمالی اور جنوبی ریاستوں میں جنگ ہونے کے بعد جنوبی ریاستوں کو شکست ہوئی اور حبشیوں کی غلامی کا خاتمہ ہو گیا۔ اب انھیں خریدا اور بیچا نہیں جا سکتا۔ امریکا کے حبشی اپنے بعض حقوق کے لیے اب بھی کش مکش کر رہے ہیں اور وہ وقت اب زیادہ دور نہیں جب وہ گورے امریکیوں کے برابر حقوق حاصل کر لیں گے۔

جان براؤن کی زندگی ہمیں یہ تعلیم دیتی ہے کہ ظلم اور غلامی کے خلاف قلم اور ضرورت ہو تو بندوق اٹھا کر ظالموں کا مقابلہ کرو خواہ اس میں اپنی جان کی بازی ہی کیوں نہ لگانی پڑے۔

ایک دوست: (دوسرے سے) بھئی یہ تمھارے ہاتھ میں پٹی بندھی ہے۔ کیا چوٹ لگ گئی ہے؟

دوسرا: گھر میں بچے نے ٹنکچر کی بوتل توڑ دی تھی۔ میں نے سوچا دوا بیکار جائے گی، اس لیے میں نے انگلی کاٹ کر ٹنکچر مل لی ہے۔

---

* "میں نے اپنی بیوی پر کرسی اٹھا کر دے ماری، لیکن مجھے پھر بھی اس کا خاصا خیال رہا، میں نے اسے آرام کرسی ماری تھی۔"



چاندنی

(۲)

عبدُالحمید نظامی

بادشاہ کو چاندنی سے بے حد محبت ہوگئی۔ اس نے اپنی چھوٹی ملکہ کی خدمت کے لیے فرماں بردار کنیزیں مقرر کردیں۔ وہ سب نوعمر یا خوب صورت نہیں تھیں، مگر جاں نثار بہت تھیں۔ وہ اس کے حکم خوشی خوشی بجالائیں اور ہر وقت اس کی خدمت میں حاضر رہتیں۔ چاندنی کو ان کنیزوں میں سے ایک بوڑھی کنیز سب سے زیادہ پسند تھی۔ بوڑھی کنیز سگی ماں کی طرح اس پر جان چھڑکتی تھی۔

ایک دن اس بوڑھی کنیز نے چاندنی سے کہا" میری اچھی ملکہ! ہوشیار رہنا، بڑی ملکہ آپ سے حسد کرتی ہیں، وہ آپ کو نقصان پہنچانے کی فکر میں ہیں۔"

چاندنی نے ہنس کر جواب دیا" تم پگلی ہو۔ ہم دونوں بہنوں کی طرح رہتی ہیں۔ وہ بھی ملکہ ہیں، پھر وہ مجھ سے حسد کیوں کرنے لگیں۔ ہم دونوں بہت خوش ہیں، پھر وہ مجھے نقصان کیوں پہنچائیں گی۔" بوڑھی کنیز نے نادان چاندنی کی سادگی پر افسوس کرتے ہوئے سر ہلایا، مگر اسے کچھ اور کہنے کی

جرات نہیں ہوئی۔ چاندنی اکثر بڑی ملکہ کی خواب گاہ میں جاتی اور وہ بھی کبھی کبھار چاندنی سے ملنے اس کے پاس آجاتی تھی۔

ایک دن چاندنی بڑی ملکہ کے ساتھ باغ میں کھڑی تھی۔ ان کے قریب ہی تالاب تھا۔ بڑی ملکہ نے چاندنی سے کہا، "بہن! تمھارے جواہرات کس قدر قیمتی اور خوبصورت ہیں۔ انھیں پہن کر تم کتنی حسین نظر آتی ہو، یہ شاید ـــــ کبھی تم نے دیکھا نہیں۔ میرے ساتھ اس تالاب کے کنارے چلو۔ اس کا پانی آئینے کی طرح شفاف ہے۔ تم ذرا اس میں اپنا عکس دیکھنا۔" یہ کہہ کر اس نے بڑے پیار سے چاندنی کا ہاتھ تھام لیا اور ٹہلتی ہوئی تالاب کی طرف چل دی۔ بوڑھی کنیز بھی باغ میں موجود تھی۔ وہ جھک کر پہلے چاندنی کی تعظیم بجا لائی، پھر اس کا دامن پکڑ کر کہنے لگی، "میری اچھی ملکہ! تالاب پر نہ جائیے۔"

بڑی ملکہ کی موجودگی میں کنیز کی اس جرات پر چاندنی بگڑ گئی اور ڈانٹ کر بوڑھی کنیز کو حکم دیا، "میرا دامن چھوڑ دو۔ پیچھے ہٹ جاؤ۔" بوڑھی کنیز نے پھر درخواست کی، "خدا کے لیے تالاب پر نہ جائیے ملکہ!"

مگر چاندنی نے اس کی بات کی کوئی پروا نہ کی۔ وہ بڑی ملکہ کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے تالاب پر پہنچ گئی۔ وہ دونوں جھک کر صاف شفاف پانی میں جھانکنے لگیں۔ چاندنی اپنے جگ مگ جگ مگ کرتے زیورات دیکھ کر حیران رہ گئی۔ اسی وقت بڑی ملکہ نے اسے پانی میں دھکا دے دیا۔ چاندنی تالاب میں گر کر تھوڑی دیر تو غوطے کھاتی رہی، پھر ڈوب گئی۔

بڑی ملکہ تیزی سے محل میں لوٹ گئی۔ اپنی کھڑکی سے جھانک کر دیکھا۔ جہاں چاندنی ڈوبی تھی، وہاں ایک بہت بڑا سورج مکھی کا پھول کھلا ہوا تھا۔

بادشاہ کو اپنی چھوٹی ملکہ سے اتنی جلدی جدائی کا بہت صدمہ ہوا۔ وہ ہر وقت اداس رہنے لگا۔ اس نے محل کے ایک ایک کمرے میں چاندنی کو تلاش کیا، مگر وہ کہیں نہ ملی۔ آخر ایک دن وہ بڑی ملکہ کے پاس گیا۔ اس سے پوچھا، "چاندنی کہاں ہے؟" پھر وہ غصے میں گرجتے ہوئے بولا، "تم نے اسے جان سے مار ڈالا ہے، تم بہت ظالم عورت ہو۔" بڑی ملکہ نے نرمی سے

جواب دیا، "سرتاج! میں نے اس کی جان نہیں لی، البتہ یہ کام چاندنی کی منھ چڑھی مکّار بوڑھی کنیز کا ہو سکتا ہے۔" یہ سنتے ہی بادشاہ غصّے کے مارے آپے سے باہر ہو گیا۔ اس نے اسی وقت جلّادوں کو حکم دیا کہ بوڑھی کنیز کو زنجیروں میں جکڑ کر قید میں ڈال دیا جائے۔

بوڑھی کنیز کو قید میں ڈال دینے کے باوجود بادشاہ کو قرار نہیں تھا۔ وہ جہاں بھی جاتا، اسے چاندنی کی یاد ستاتی۔ جدھر بھی دیکھتا چاندنی کی پیاری پیاری صورت نظر آتی۔ اس نے کھانا پینا چھوڑ دیا۔ امیروں وزیروں سے ملنا ترک کر دیا۔ اس کے درباری آپس میں کہنے لگے، "ہمارا بادشاہ اس غم میں جان دے دے گا۔"

ایک دن بادشاہ باغ میں جا نکلا۔ وہاں اس نے تالاب کے بیچوں بیچ ایک بڑا سا سورج مکھی کا پھول دیکھا۔ اسے اس میں بھی چاندنی کی صورت نظر آئی۔ جب وہ کھڑا پھول کی طرف دیکھ رہا تھا، سورج مکھی کے پھول نے جھک کر اسے سلام کیا۔ بادشاہ نے آہ بھر کر کہا، "اے سورج مکھی کے پھول، تم مجھے میری پیاری بیوی کی یاد دلا رہے ہو۔ وہ بھی تمھاری طرح خوب صورت اور نازک تھی، مگر افسوس وہ مر چکی ہے۔"

اِس کے بعد وہ ہر روز تالاب کے کنارے جانے لگا۔ وہ گھنٹوں وہاں بیٹھا اس پھول کی طرف تکتا رہتا۔ بڑی ملکہ کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ وہ حسد سے جل کر کباب ہو گئی۔ اس نے اسی وقت مالی کو طلب کیا، "دیکھو، شاہی تالاب میں جو سورج مکھی کا پھول کھڑا ہے، اسے فوراً جڑ سے کھود ڈالو۔ پھول کو جلا کر راکھ کر دو، مگر اس بات کا کِسی کو کانوں کان عِلم نہ ہو۔" مالی نے سر جھکا کر جواب دیا، "جو حکم ملکۂ عالیہ! ایسا ہی ہو گا۔" دوسرے دن بادشاہ تالاب پر پہنچا تو وہاں وہ سورج مکھی کا پھول نہ تھا۔ بادشاہ اور بھی زیادہ اداس اور غم گین ہو گیا۔

مالی نے بڑی ملکہ کے حکم کے مطابق راتوں رات سورج مکھی کا پھول اکھیڑ کر جلا ڈالا تھا اور اس کی راکھ محل کے باہر پھنکوا دی تھی۔ جہاں وہ راکھ گری، اسی جگہ آم کا ایک پودا اگ آیا۔ یہ پودا دیکھتے ہی دیکھتے اِتنی تیزی سے بڑھا کہ بہت بڑا درخت بن گیا اور اس درخت کی سب سے

اونچی ڈال پر مَول آگیا۔ مول پک کر جھڑ گیا اور اس کی جگہ ایک چھوٹا سا آم نمودار ہوگیا۔ یہ بھی بڑھتا گیا، حتیٰ کہ ملک کا سب سے بڑا اور عمدہ آم بن گیا۔ دور دور سے لوگ اس عجیب و غریب آم کو دیکھنے دوڑے آئے، مگر کسی کو اسے توڑنے یا چھُونے کی جرات نہ ہوسکتی تھی، کیوں کہ یہ بادشاہ کا آم تھا۔

تمھیں چاندنی کی ماں تو یاد ہوگی۔ وہی گوالن؟ چندو کے اچانک گم ہو جانے کا گوالن اور اس کے خاوند کو بہت صدمہ ہوا تھا۔ گوالے نے اپنی پہلی بیوی کو گھر سے نکال دیا۔ اللہ نے انھیں اور اولاد دی، مگر چندو کی یاد ان کے دلوں سے نہ گئی۔

ایک دن شام کے وقت گوالن دُودھ بیچ کر واپس گھر جا رہی تھی۔ وہ بہت تھک گئی تھی، اِس لیے اسی آم کے درخت کے نیچے لیٹ کر آرام کرنے لگی۔ دودھ کے خالی برتن اس نے اپنے سرہانے رکھ لیے۔ تھکی ہوئی تو تھی ہی، اس کی آنکھ لگ گئی۔ دودھ کا ایک خالی برتن اس عجیب آم کے بالکل نیچے رکھا ہوا تھا۔ جب گوالن سو گئی، وہ آم ڈال سے ٹوٹ کر اس برتن میں آپڑا۔ گوالن کی آنکھ کھلی تو برتن میں آم دیکھ کر بہت ڈری اور دل میں کہنے لگی — "ہائے ہائے! اب میں کیا کروں؟ بادشاہ کا آم میرے برتن میں آگیا۔ اگر کسی نے دیکھ لیا تو مجھے چور ٹھیرائے گا اور سزا ملے گی، حالاں کہ میں نے اسے توڑا نہیں، یہ تو خود بہ خود ہی میرے برتن میں آپڑا ہے۔ اگر اتنا عمدہ آم یہاں چھوڑ جاؤں تو پرندے اسے کتر کر خراب کر دیں گے یا چیونٹیاں کھا جائیں گی۔ اس سے تو یہی بہتر ہے کہ اب اسے چھپا کر گھر لے جاؤں۔" دل میں یہ سوچ کر وہ جلدی سے اٹھی۔ برتن کا منھ دوپٹے سے ڈھانپا اور تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی گھر پہنچ گئی۔

گھر پہنچ کر اس نے وہ برتن ایک کونے میں رکھ دیا اور دس بارہ برتنوں کے نیچے چھپا دیا۔ جب خوب اندھیرا پھیل گیا تو اس نے اپنے خاوند اور بچوں سے کہا، "تمھیں معلوم ہے آج مجھے کیا ملا ہے؟" اس کے خاوند نے جلدی سے پوچھا، "بیوی کیا ملا ہے تمھیں؟" اس نے جواب دیا، "تم ہرگز نہیں بتا سکتے کہ میں کیا چیز لائی ہوں۔ سنو! آج جب میں شہر سے واپس آرہی تھی، سستانے کے لیے

آم کے درخت کے نیچے لیٹ گئی۔ میری آنکھ لگ گئی۔ بادشاہ کا آم آپ ہی ڈال سے ٹوٹ کر میرے برتن میں آگرا۔ بچّو، چھری لاؤ۔ اس کی پھانکیں کرلوں۔ بہت بڑا آم ہے۔ ہم سب جی بھر کر کھا سکتے ہیں۔ اجی! تم ذرا وہ برتن اتار کر سب سے نیچے والا برتن اٹھالاؤ۔"

اس کے خاوند نے سب برتن اتارے اور جب سب سے نچلے برتن میں جھانک کر دیکھا تو وہ حیران رہ گیا اور چلّایا، "بیوی تم مذاق کر رہی ہو۔ اس میں آم وام کوئی نہیں۔ یہاں تو کچھ اور ہی ہے۔ جلدی سے آکر دیکھو۔"

گوالن دوڑ کر برتن کے پاس آئی۔ واقعی برتن میں آم کے بجائے ایک خوب صورت ننھی منّی سی بچّی لیٹی آنکھیں جھپک رہی تھی۔ اس کے سر پر ایک چھوٹا سا تاج تھا، جو سورج کی طرح چمک رہا تھا۔

"ارے مرے اللہ!" گوالن نے خوشی سے کہا، "کتنی ننھی گڑیا سی بچّی ہے۔ میں اس کی بہت احتیاط سے پرورش کروں گی۔ اپنی اولاد سے زیادہ اس کا خیال رکھوں گی۔" یہ کہتے ہوئے اس نے بچّی کو برتن سے نکال لیا اور بستر پر لٹا دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ ننھی منّی گڑیا سی بچّی بڑھنے لگی اور بڑی ہوتے ہوتے جوان عورت بن گئی۔ وہ بہت حسین اور پیاری تھی، مگر اس وقت بہت ہی اداس نظر آرہی تھی۔ اسے دیکھ کر سب حیران رہ گئے۔ آخر گوالن نے پوچھا، "تمھارا نام کیا ہے؟" لڑکی نے جواب دیا، "میرا نام چاندنی ہے۔" گوالن کو اپنی چندو یاد آگئی، مگر وہ اسے پہچان نہ سکی۔ چاندنی کا اب کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ وہ انھی کی جھونپڑی میں رہنے لگی اور گھر کے کام کاج میں گوالن کا ہاتھ بٹانے لگی۔

ایک دن بادشاہ سیر کرتا ہوا گوالن کے گھر کی طرف آنکلا۔ چاندنی کنویں پر پانی بھر رہی تھی۔ بادشاہ کی اس پر نظر پڑی۔ اس نے دل میں سوچا "یہ تو میری ملکہ معلوم ہوتی ہے۔" وہ تیزی سے گھوڑا دوڑاتا کنویں پر پہنچا، مگر چاندنی گھر جا چکی تھی۔ بادشاہ نے گوالن کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا اور کہا، "مجھے اندر آنے دو۔"

گوالن نے دروازہ کھولتے ہوئے پوچھا، "تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟" بادشاہ نے

جواب دیا۔ "میں بادشاہ ہوں۔ میں نے ابھی ابھی اپنی ملکہ کو کنوئیں پر دیکھا تھا، وہ اِس گھر میں آئی ہے۔ میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔"

گوالن نے بادشاہ کے رعب سے کانپتے ہوئے کہا، "جہاں پناہ! کہاں آپ کی ملکہ اور کہاں غریب گوالن کا جھونپڑا۔ یہاں ملکہ صاحبہ کا کیا کام۔ حضور کو دھوکا ہوا ہے، جسے آپ نے دیکھا وہ میری بیٹی ہے۔"

بادشاہ یہ سن کر اداس ہوگیا، مگر اسے حیرت ہورہی تھی کہ جسے اس نے دیکھا وہ ہوبہو چاندنی تھی۔ وہ چاندنی سے ملنے کے لیے بے قرار ہوگیا۔ اس کے دل نے کہا، ملکہ مری نہیں زندہ ہے۔ کسی کٹنی کو اس کا سراغ نکالنے پر مقرر کرنا چاہیے۔

محل میں پہنچتے ہی اس نے ایک کٹنی کو، جو بہت چالاک اور عیار تھی، طلب کیا اور حکم دیا "دیکھو، ہم نے آج چھوٹی ملکہ کو ایک گوالن کے گھر دیکھا ہے۔ تمھیں بھی اس سے محبت تھی۔ اسے تلاش کرو۔ اگر تم نے اس کے ملنے کی خوش خبری سنائی تو تمھارا منھ موتیوں سے بھر دیا جائے گا۔" کٹنی نے کہا، "بہت بہتر عالی جاہ!"

بوڑھی کٹنی گوالن کے گھر گئی اور بہت جلدی اس کی سہیلی بن گئی۔ ایک دن باتوں باتوں میں چھوٹی ملکہ کے گم ہونے کا ذکر کیا اور بتایا کہ اس کی یاد میں بادشاہ اور ساری رعیت اداس ہے۔ پھر پوچھا، "تمھاری بیٹی کا نام بھی چاندنی ہے اور یہ شہزادی لگتی ہے۔ سچ بتاؤ یہ کون ہے۔" گوالن نے آم والا قصہ سچ سچ بیان کردیا اور کہا، "بہن! اس دن سے یہ میرے پاس ہے، لیکن میں نہیں جانتی کہ یہ کون ہے۔"

کٹنی نے جب یہ قصہ سنا تو بہت خوش ہوئی۔ اسے یقین ہوگیا کہ اس کی پیاری ملکہ یہی ہے۔ اس نے گوالن سے پوچھا، "کیا چاندنی نے تمھیں اپنی کہانی نہیں سنائی کہ وہ کون ہے؟" گوالن نے جواب دیا، "نہیں، میں نے آج تک اس سے یہ پوچھا ہی نہیں۔" کٹنی جلدی سے بولی، "بھلا اب بلا کر میرے سامنے تو پوچھو۔ دیکھیں کیا بتاتی ہے۔"

گوالن نے چاندنی کو بلاکر پہلے پیار سے پوچھا، "میری بچی، یہ تو بتاؤ کہ تم کون

ہو۔ اب تو تم میری بیٹی ہو، مگر یہاں آنے سے پہلے تم کہاں تھیں اور تمھارے ماں باپ کون تھے؟" چاندنی نے جواب دیا، "اماں! میری حقیقی ماں تو ایک گوالن تھی۔ اِس کے ساتھ ایک عورت اور رہتی تھی۔ ایک دن وہ مجھے اٹھا کر لے گئی اور جنگل میں چھوڑ دیا۔ میں اکیلی رو رہی تھی کہ دو پریاں وہاں آئیں۔ انھوں نے مجھے پیار کیا اور اٹھا کر ایک بہت اونچے درخت پر لے گئیں۔ وہاں لوہے کے ایک گھر میں میری پرورش کی۔ میں انھیں ہی اپنی ماں سمجھتی ہوں"۔

"میری پیاری بچّی!" کہہ کر گوالن نے چاندنی کو گلے سے لگا لیا اور بولی "میں ہی تیری حقیقی ماں ہوں۔ میری سَوت مجھ سے جلتی تھی۔ وہ تجھے اٹھا کر لے گئی تھی۔ میں اور تیرا باپ مدّت تک تیری یاد میں روتے رہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے تمھیں پھر ہم سے ملا دیا۔" چاندنی نے خوش ہو کر کہا "میری اماں! مجھے بھی بہت خوشی ہوئی ہے۔" گوالن بھاگی ہوئی اپنے خاوند کے پاس گئی۔ پھر اپنے بچّوں کو بلایا کہ تمھاری کھوئی ہوئی بہن مل گئی ہے۔

خوشی کے مارے سب کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔ گھر بھر میں مسرّت کی لہر دوڑ گئی۔ کٹنی سارا حال معلوم کر کے وہاں سے بھاگی اور سیدھی محل میں پہنچی، تاکہ بادشاہ کو خوش خبری سنائے۔

چاندنی کی ماں نے پوچھا "بیٹی چاندنی! یہ تو بتاؤ پریاں تمھارے ساتھ کیسا سلوک کرتی تھیں؟" چاندنی نے جواب دیا "اماں، وہ مجھ سے بہت محبت کرتی تھیں۔ وہ میرے لیے شہزادیوں جیسے کپڑے اور زیورات لائیں۔ کھانے پینے کا انتظام کیا، پھر وہ میرے لیے ہیرے کی انگوٹھی لینے چلی گئیں۔ ایک دن میرے ہاتھ میں کچھ چبھ گیا اور میں بے ہوش ہو گئی۔ جب مجھے ہوش آیا تو میرے سامنے ایک خوب صورت اور جوان بادشاہ کھڑا تھا۔ وہ مجھے اپنے محل میں لے گیا اور مجھ سے شادی کر لی، مگر اس کی پہلی ملکہ مجھ سے نفرت کرنے لگی۔ ایک دن اس نے مجھے تالاب میں دھکا دے دیا۔ میں ڈوب کر سورج مکھی کا پھول بن گئی۔ بڑی ملکہ نے یہ پھول اکھڑوا کر جلوا دیا اور پھول کی راکھ محل کے باہر پھنکوا دی۔ اس راکھ سے آم کا درخت اٹھا۔ درخت پر ایک آم لگا۔

میں اس آم میں تھی، جو تمھارے برتن میں گرا اور اِس طرح پھر میں اپنے پیارے ماں باپ اور بہن بھائیوں سے آملی۔" اپنی کہانی سُنا کر چاندنی ماں کی گود میں گر پڑی۔ گوالن نے اس کی بلائیں لیتے ہوئے کہا،" تب تو بادشاہ ٹھیک ہی کہتا تھا کہ اس نے اپنی ملکہ کو یہاں دیکھا ہے۔ تمھیں شاید معلوم نہیں، بادشاہ نے تمھیں کنوئیں پر پانی بھرتے دیکھا تھا۔ وہ تمھارے پیچھے یہاں تک آیا بھی، مگر میں نے کہہ دیا کہ یہاں تمھاری ملکہ نہیں، میری بیٹی رہتی ہے۔ اب معلوم ہوا کہ بادشاہ کی ملکہ اور میری بیٹی ایک ہی ہیں، مگر میری بچّی، کیا تم اب محل میں جانا نہیں چاہتیں؟ کیا تمھیں اپنے خاوند سے محبت نہیں؟" چاندنی نے شرماتے ہوئے جواب دیا،" اماں میں چاہتی ہوں کہ پھر محل میں چلی جاؤں، مگر اب دوبارہ انھیں نہیں دیکھ سکتی۔ جب انھیں معلوم ہوگا کہ ایک غریب اور معمولی گوالن کی بیٹی ہوں تو وہ میرا خیال دل سے نکال دیں گے۔" اسی وقت کسی نے بہت زور سے دروازہ کھٹکھٹایا۔ گوالن نے جلدی سے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ باہر بادشاہ اپنے پیادوں کے ہمراہ کھڑا تھا۔ وہ فوراً جھونپڑی میں داخل ہوگیا اور چاندنی کو دیکھ کر محبت سے چلّایا،" آہ میری چاندنی! آخر میں نے تمھیں پالیا۔ بتاؤ تم مجھے چھوڑ کر محل سے کیوں چلی آئیں۔" پھر وہ گرج کر گوالن سے بولا،" بڑھیا، جب میں نے تم سے پوچھا تھا کہ میری ملکہ یہاں ہے تو تم نے جھوٹ کیوں بولا۔ تم نے میری ملکہ کو چھپا رکھا تھا۔ تمھیں اِس بات کی سخت سزا ملے گی۔"

گوالن نے جواب دیا،" عالی جاہ! آپ کی ملکہ میری بیٹی ہے، لیکن یہ بات مجھے پہلے معلوم نہیں تھی۔ مجھے یہ گمان بھی نہیں تھا کہ میری بیٹی ملکہ ہو سکتی ہے۔" بادشاہ چاندنی کو پا کر بے حد خوش ہوا اور اسے محل میں لے گیا۔ اس کے باپ کو ایک جاگیر بخش دی اور سارے خاندان کو بڑے بڑے عہدوں پر مقرر کر دیا۔ بادشاہ نے چاندنی کی بوڑھی کنیز کو بھی رہا کر دیا اور کہا،" تم بہت نیک ہو۔ تمھیں محل کی داروغن بنایا جاتا ہے۔" اس کے علاوہ اسے بہت سا انعام و اکرام بھی دیا اور اس کی جگہ اپنی پہلی ملکہ کو قید میں ڈال دیا۔ اب پھر بادشاہ اپنی پیاری ملکہ چاندنی کے ساتھ خوش و خرم رہنے لگا اور اس کی رعایا بھی خوشیاں منانے لگی۔

(ختم)



مانجھی

انور شبیہہ

کشتی تیز چلانا مانجھی، کشتی تیز چلانا
بیچ بھنور میں پہنچی کشتی اسے کنارے لانا
کشتی تیز چلانا مانجھی، کشتی تیز چلانا
کھیتا جائے اپنی کشتی دیکھے خواب سہانا
تیرے چپّو، تیرے بازو، ان سے دل بہلانا
تیرا کھیل نرالا جگ سے، طوفاں سے ٹکرانا
کشتی تیز چلانا مانجھی، کشتی تیز چلانا
بکھرے دُور فضا میں مانجھی تیرے گیت سہانے
تیری دھن کے سب دیوانے کیا اپنے، بیگانے
تجھ سے سب مانوس ہیں لیکن درد نہ کوئی جانے
کشتی تیز چلانا مانجھی، کشتی تیز چلانا
تیرے سر پر چاند کی کشتی تیری کشتی جل میں
جہاں بھی تیرا جی چاہے گا، پہنچے گا تو پل میں
چندا کی کشتی کو لے کر تاروں میں ہو آنا
کشتی تیز چلانا مانجھی، کشتی تیز چلانا

دل چسپ اور رنگا رنگ

علی ناصر زیدی

سیہہ

دنیا میں بعض بڑے انوکھے جانور پائے جاتے ہیں۔ سیہہ ان میں سے ایک ہے۔ اس کے جسم پر بڑے بڑے کانٹے ہوتے ہیں۔ وہ انھیں اپنے دشمن کے جسم میں جان بوجھ کر نہیں گھونپتا، بلکہ غصّے یا خطرے کے وقت یہ کانٹے خود بخود کھڑے ہوجاتے ہیں۔ سیہہ کے کانٹے زیادہ گہرے نہیں ہوتے اس لیے وہ ذرا سی رگڑ میں اُس کے جسم سے باہر کھنچ آتے ہیں۔

حملہ کرتے وقت سیہہ اپنی دُم سیدھی کرکے دشمن کی طرف اُلٹا چلتا ہے۔ اس طرح اُس کے کانٹوں کا رُخ دشمن کی جانب ہوجاتا ہے اور اگر ٹکّر ہوجاتی ہے تو وہ دشمن کے جسم میں گھُس جاتے ہیں۔ یہ کانٹے اتنے تیز ہوتے ہیں کہ اُنھیں گراموفون کی سوئی کی جگہ استعمال کیا جاچکا ہے۔

سست سلوتھ

سلوتھ ایک دودھ پلانے والا جانور ہے، جس کے پیر پنجوں کی طرح ہوتے ہیں۔ وہ زیادہ وقت درختوں کی شاخوں پر اُلٹا ٹنگا رہتا ہے۔ چوں کہ اس کی ٹانگیں لمبی اور مُڑی ہوئی ہوتی ہیں، اس لیے اُسے زمین پر چلنے میں دِقّت محسوس ہوتی ہے۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہے۔ اس لیے اُس کا نام "سلوتھ" پڑگیا، جس کے معنی سُست کے ہیں۔ کبھی کبھی وہ ایک شاخ سے دوسری شاخ پر جلدی

سے کود بھی جاتا ہے۔

سلوتھ استوائی جنگلات میں پایا جاتا ہے، جہاں بارش خوب ہوتی ہے۔ بارش کے زمانے میں اُس کے لمبے سمور پر ایک طرح کی سبز کائی اُگ آتی ہے اور وہ درختوں کا ہم رنگ ہو جاتا ہے۔ اس طرح اُس کے دشمن اُسے آسانی سے نہیں دیکھ پاتے۔

سمندر میں سونا

دنیا میں سونے کی مانگ زیادہ ہے، کیوں کہ وہ کم ملتا ہے۔ اِسی وجہ سے اُس کی قیمت بھی زیادہ ہے، لیکن سمندروں میں اس قدر سونا موجود ہے کہ دنیا کا ہر شخص لکھ پتی بن سکتا ہے، بشرطیکہ اُسے نکالنے کا کوئی آسان اور سستا طریقہ معلوم ہو جائے، لیکن جب سونا عام ہو جائے گا تو اُس کی اتنی قیمت کہاں رہے گی۔

سمندر طرح طرح کے خزانوں سے بھرے پڑے ہیں۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ ایک مکعب میل یعنی ایک میل لمبے، ایک میل چوڑے اور ایک میل گہرے سمندری پانی میں تقریباً ۹ کروڑ تیس لاکھ ڈالر کا سونا موجود ہوتا ہے۔ ایک ڈالر تقریباً پانچ رُپے کے برابر ہوتا ہے۔ اس بحری سونے کو حاصل کرنے کے لیے بہت کچھ کرنا پڑے گا۔ سب سے پہلے دو سو ایسے ٹینک بنانے پڑیں گے، جن میں سے ہر ایک پانچ سو فیٹ لمبا، اتنا ہی چوڑا اور پانچ فیٹ گہرا ہو، پھر اتنے آدمی درکار ہوں گے، جو پورے سال دن میں دو مرتبہ ان ٹینکوں میں پانی بھریں اور اُنھیں خالی کریں تب کہیں سونا ملے گا۔ اس کام پر اتنا رُپیہ خرچ ہو جائے گا کہ آخر میں کوئی فائدہ نہ ہو گا۔

ایک فٹ لمبی زبان

چیونٹی خور یا مور خور ایک لمبا چوڑا جانور ہے، جو اپنے اگلے پنجوں کو پیچھے کی طرف موڑ کر چلتا ہے۔ اُس کے دانت نہیں ہوتے، لیکن منھ کافی لمبا ہوتا ہے۔ اُس کی زبان

لیس دار اور تقریباً ایک فٹ لمبی ہوتی ہے۔ وہ اپنے تیز پنجوں سے چیونٹیوں کے گھر کھود ڈالتا ہے اور پھر اپنی لمبی اور لیس دار زبان سے اُنھیں چٹ کر جاتا ہے، اسی وجہ سے اُسے چیونٹی خور یا مور خور کہتے ہیں۔

چڑیاں اور رینگنے والے جانور

شاید تمھیں معلوم نہ ہو کہ دنیا میں جتنی چڑیاں پائی جاتی ہیں وہ رینگنے والے جانوروں سے پیدا ہوئیں۔ ایک زمانہ تھا کہ پوری زمین پر رینگنے والے چھوٹے بڑے جانور چھائے ہوئے تھے۔ چڑیاں اور اکثر رینگنے والے جانور انڈے دیتے ہیں۔ تمام چڑیوں کی ٹانگوں پر ابھی تک وہی فلس یا چھلکے چڑھے ہوئے ہیں، جو رینگنے والے جانوروں کے جسم پر پائے جاتے ہیں۔

پیٹ کے بل چلنے والے

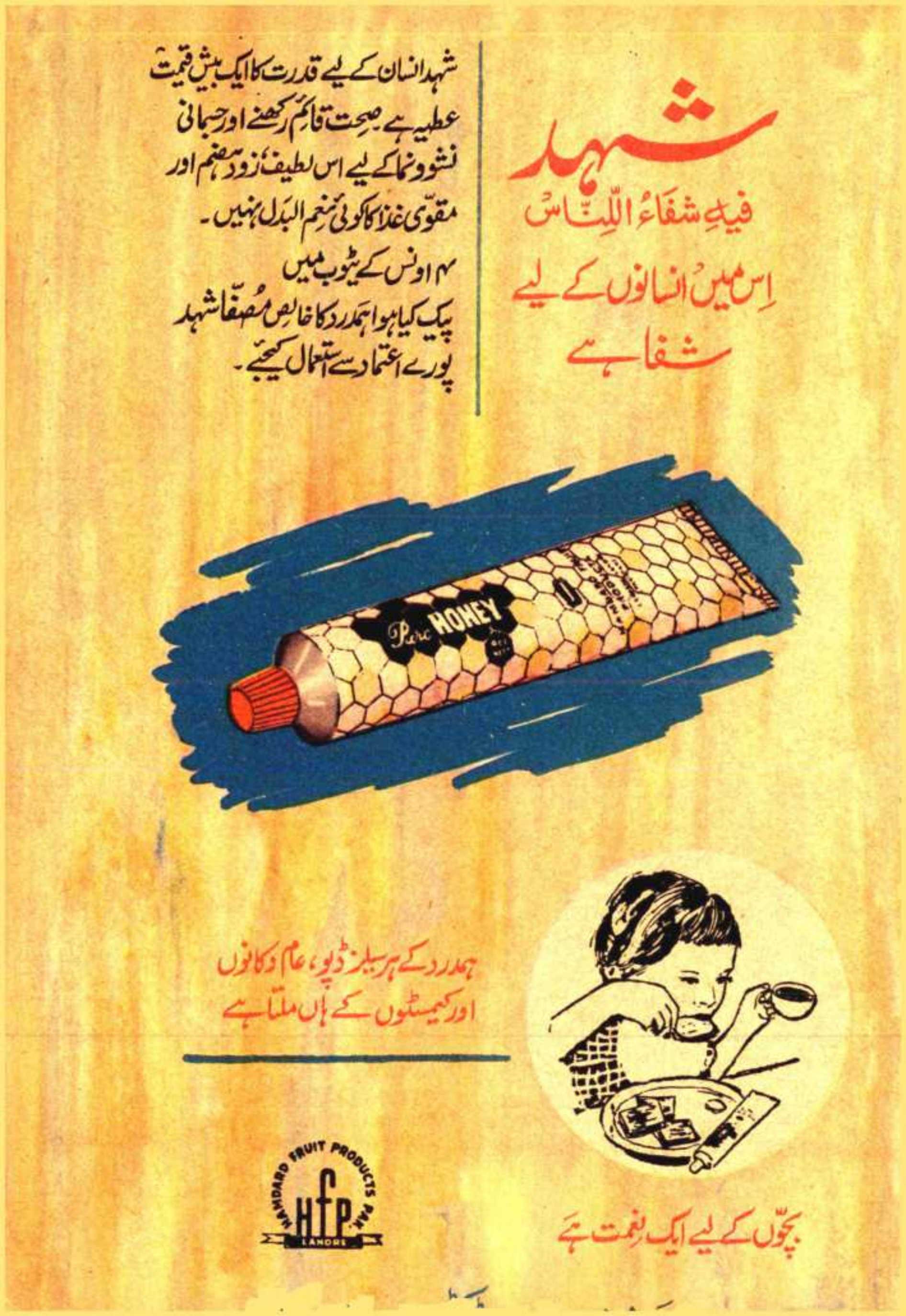
ہر ایسے جانور کو جو اپنے پیٹ کے بل رینگتا ہے یا جس کے پیر چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں۔ ریپٹائل یا رینگنے والا جانور کہتے ہیں، مثلاً سانپ، چھپکلیاں، کچھوے اور مگرمچھ۔ ان میں مگرمچھ سب سے بڑا ہوتا ہے۔

چار ہزار پونڈ کا مگرمچھ

امریکا کے ایک عجائب گھر میں فلپائن کے ایک مگرمچھ کی کھوپڑی محفوظ ہے، جس کا جسم تیس فیٹ لمبا اور گیارہ فیٹ گول تھا۔ اس کے وزن کے متعلق چار ہزار پونڈ کا اندازہ ہے۔ مصر کے مگرمچھ ہر سال اتنے آدمی مار ڈالتے ہیں کہ پورے افریقہ کا کوئی جنگلی جانور نہیں مارتا۔

کچھوے کی عمر

دنیا میں سب سے زیادہ عمر کچھوے کی سمجھی جاتی ہے۔ ایک کچھوے کے متعلق یقین سے معلوم ہے کہ وہ دو سو سال سے زندہ ہے۔


شہد
فیهِ شفاءٌ لِلنّاس
اس میں انسانوں کے لیے
شفا ہے
شہد انسان کے لیے قدرت کا ایک بیش قیمت
عطیہ ہے۔ صحت قائم رکھنے اور جسمانی
نشوونما کے لیے اس لطیف، زود ہضم اور
مقوّی غذا کا کوئی نعم البدل نہیں۔
۴ اونس کے ٹیوب میں
پیک کیا ہوا ہمدرد کا خالص مصفّا شہد
پورے اعتماد سے استعمال کیجیے۔
Pure HONEY
ہمدرد کے ہر سیلز ڈپو، عام دکانوں
اور کیمسٹوں کے ہاں ملتا ہے
HAMDARD FRUIT PRODUCTS PAK.
HFP
LAHORE
بچّوں کے لیے ایک نعمت ہے

اخبار نونہال

بھوک کے مریض



سنا ہے کہ ہندستان میں بہت سے لوگ صرف غذا حاصل کرنے کے لیے
بیمار بن کر اسپتال میں داخلہ لے لیتے ہیں ۔

صحت مند نونہال

اس صفحہ پر ہر ماہ صحت مند نونہالوں
کی تصویریں شائع کی جائیں گی۔
جلدی سے اپنی تصویر بھیج دو۔



سید محمد اعجاز حیدر، ملتان



روبینہ بدر، کراچی



عبادالرحمٰن، کراچی



دُم دار ستارہ

سیکڑوں سال سے لوگ چاند ستارے دیکھتے چلے آرہے ہیں، مگر جب آسمان پر کسی نئی چیز کو دیکھتے ہیں تو ڈر جاتے ہیں اور اگر وہ ہر روز زمین کے نزدیک آتی دکھائی دے، اس کی چمک بھی زیادہ ہوتی جائے اور اس کی دم بھی کافی لمبی جھاڑو نما ہو تو لوگ زیادہ ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں یہ ہماری زمین سے نہ ٹکرا جائے۔

سائنس داں بتاتے ہیں کہ اس قسم کی چیز دکھائی دے تو اس کو دُم دار ستارہ کہتے ہیں۔ دم دار ستارہ (COMET) سیاروں سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔ سیارہ ایک گیند نما چیز ہوتی ہے، مگر دُم دار ستارے کے سر ہوتا ہے اور اکثر دم بھی ہوتی ہے۔ سر کی چوڑائی پچاس ہزار میل ہوتی ہے اور دم دس کروڑ میل لمبی ہوتی ہے۔ ہر دم دار ستارے کی دُم لمبی نہیں ہوتی، بلکہ بعض کی تو بالکل نہیں ہوتی ہے۔ دم دار ستارے گیس اور چھوٹے چھوٹے ٹھوس ذرات سے بنے رہتے ہیں۔ آپ اس بات کو جب بہتر سمجھیں گے جب اس بڑے دم دار ستارے ہیلیز کامیٹ (HALLY'S COMET) کے متعلق اس کا حال پڑھیں گے۔

دو ہزار مربع میل لمبے دم دار ستارے

کی جھاڑو نما دم میں صرف اس قدر مواد ہوتا ہے، جتنا ایک مربع انچ ہوا میں زمین پر ہوتا ہے۔ اگر وہ ستارہ زمین کے پاس سے گزرے تو آپ کو اس سے ڈرنا نہیں چاہیے اور ایسا کئی بار ہوا بھی ہے۔ ۱۹۱۰ء میں ہیلیز کامیٹ (دم دار ستارہ) کی دم میں سے ہماری زمین گزری بھی ہے۔ دم دار ستارہ سورج کے چاروں طرف گردش کرتا ہے، مگر اس کا راستہ سیاروں کے محور سے مختلف ہوتا ہے۔ سورج کے چاروں طرف سیارے ایک دائرے کی صورت میں چکّر کاٹتے ہیں



اور دم دار ستارہ کا راستہ بہت بڑا بیضوی شکل کا ہوتا ہے۔ اس ستارے کی دم ہمیشہ سورج سے علیحدہ رہتی ہے۔ ہم دم دار ستارے کو جب ہی دیکھ سکتے ہیں، جب وہ ہماری زمین کے نزدیک یا سورج کے قریب آجاتا ہے۔

سائنس داں اس دم دار ستارے کے راستہ کا فاصلہ اور اس کی رفتار بھی معلوم کر سکتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ یہ بتا سکتے ہیں کہ کب یہ ستارہ زمین کے نزدیک آئے گا اور ہم اسے دیکھیں گے۔ بعض ستارے اپنے محور کو چند سالوں میں پورا کر لیتے ہیں اور بعض کا محور اتنا لمبا ہوتا ہے کہ وہ اس کو سیکڑوں سالوں میں ایک مرتبہ پورا کرتے ہیں۔ اس کو دم دار ستارہ اس لیے کہتے ہیں کہ وہ سیاروں کی طرح سورج سے روشنی کا عکس پھینکتا ہے۔

دم دار ستاروں میں ہیلیز کامیٹ سب سے مشہور ہے۔ اس کا نام مشہور انگریز سائنس داں ایڈمنڈ ہیلی کے نام پر رکھا گیا ہے۔ اس نے ہی سب سے پہلے اس ستارے کے محور کے متعلق معلوم کیا تھا اور لکھا تھا کہ، "بہت سی باتوں سے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ وہ دم دار ستارہ، جو ۱۵۳۱ء میں دیکھا گیا تھا، وہی ہے، جو ۱۶۰۷ء میں

دیکھا گیا اور پھر میں نے اسے ۱۶۸۲ء میں دیکھا۔ میں اب یقین کے ساتھ پیشین گوئی کر سکتا ہوں کہ یہ ستارہ اب ۱۷۵۸ء میں پھر نظر آئے گا۔"

ہیلی کی بات سچ نکلی اور ۱۷۵۸ء میں پھر وہ دم دار ستارہ نظر آیا۔ ۱۹۱۰ء میں آخری مرتبہ ہیلیز کامیٹ دیکھا گیا تھا اور امید ہے کہ تم میں سے بہت سے بچے اس ستارے کو ۱۹۸۶ء میں دیکھو گے۔ آج کل، پاکستان میں آسمان پر جنوب مشرق کی سمت ایک روشنی کی لکیر نظر آتی ہے یہ صبح کے وقت چار بجے اور پانچ بجے کے درمیان دیکھی



جا سکتی ہے۔ اس کے متعلق بھی عام لوگوں میں کئی باتیں کہی جا رہی ہیں، مگر یہ یقیناً کوئی دم دار ستارہ ہے۔ اس کا ابھی تک کوئی نام نہیں معلوم ہو سکا۔

ہمارے سائنس داں اس سلسلے میں تحقیق کر رہے ہیں۔ یقین ہے کہ وہ غور و فکر کے بعد ہمیں کوئی صحیح بات بتا سکیں گے۔

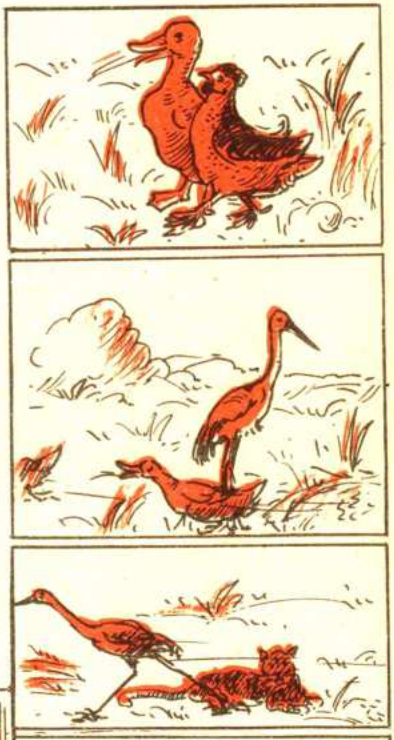
کرکٹ میچ میں آگ!

اکتوبر۔ میلبورن کلب کے کرکٹ میچ میں ایک گیند باز (بالر) نے زور سے گیند پھینکی تو گیند بلہ باز (بیٹس مین) کی ران پر لگی اور اس کی پتلون سے آگ کے شعلے بھڑکنے لگے۔

ہوا یوں کہ بلہ باز صاحب نے اپنی پتلون کی جیب میں ماچس رکھ چھوڑی تھی، جب گیند پتلون کی جیب پر زور سے لگی تو ماچس کی تیلیاں آپس میں رگڑ کھا کر جل اٹھیں اور شعلے بھڑک اٹھے، مگر خیر ہوئی اور بلہ باز صاحب زیادہ زخمی نہیں ہوئے، آگ پر قابو پا لیا گیا اور تھوڑی دیر کے بعد پھر کھیل شروع ہو گیا۔

جھگڑا شروع کرنے

ایک مرغی کھیت کے کنارے دانہ چگ رہی تھی۔ اتفاق سے اس کا پیر بطخ کے پیر پر پڑ گیا۔ نہ مرغی نے جان بوجھ کر یہ حرکت کی تھی، نہ اس حرکت سے بطخ کے چوٹ لگی، مگر بطخ چیخ اٹھی:

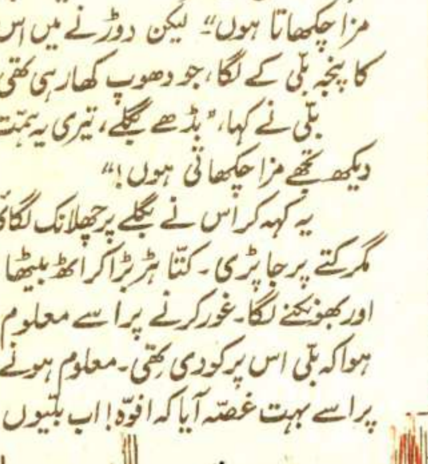


"اندھی ہوگئی ہے۔ میرا پیر کچل دیا۔ دیکھ تجھے مزا چکھاتی ہوں۔"

یہ کہہ کر بطخ مرغی پر جھپٹی، مگر اس کا پیر بگلے سے ٹکرا گیا، جو پانی کے کنارے کھڑا ایک مچھلی ہڑپ کرنے کے امکانات پر غور کر رہا تھا۔

بگلا غصّے سے پاگل ہوگیا اور یہ کہتا ہوا بطخ کی طرف دوڑا "دیکھ تجھے مزا چکھاتا ہوں۔" لیکن دوڑنے میں اس کا پنجہ بلی کے لگا، جو دھوپ کھا رہی تھی۔ بلی نے کہا، "بڈھے بگلے، تیری یہ ہمت۔ دیکھ تجھے مزا چکھاتی ہوں!"

یہ کہہ کر اس نے بگلے پر چھلانگ لگائی مگر کتے پر جا پڑی۔ کتا ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا اور بھونکنے لگا۔ غور کرنے پر اسے معلوم ہوا کہ بلی اس پر کودی تھی۔ معلوم ہونے پر اسے بہت غصّہ آیا کہ اُفوہ! اب بلّیوں



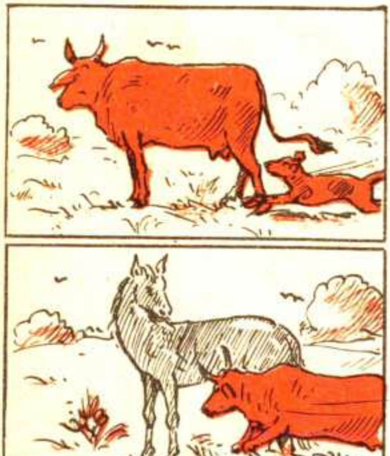
کی بہترین ترکیب

کی یہ ہمت ہو گئی ہے کہ ہم پر حملہ کرتی ہیں ۔ "کٹھیر چڑیل، تجھے ابھی مزہ چکھاتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ بلّی کو پکڑنے دوڑا۔

مگر جناب در اصل شیطان سب کو نچا رہا تھا۔ کتا گائے سے ٹکرا گیا۔ گائے سینگ ہلاتی اس کے پیچھے دوڑی، مگر اس کے سینگ گھوڑے کے پیٹ میں لگ گئے اور وہ دولتی جھاڑ کر گائے کے پیچھے بھاگا۔ پھر تو وہ ہڑبونگ مچی کہ توبہ توبہ۔ قیامت کا شور، دھماچوکڑی، ڈھول اور ڈھول ڈھپّا سن کر کسان دوڑا ہوا آیا۔ اس نے کہا "تمھاری یہ ہمت، میں تم سب کو مزا چکھاتا ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے مرغی کو دڑبے میں، بطخ کو ڈھابلی میں، بلی کو ڈبے میں، بگلے کو پنجرے میں بند کیا، گائے کو کھونٹے سے باندھا اور گھوڑے کو اصطبل میں ہانکا، پھر کتے کے گلے میں پٹہ ڈال کر تخت کے پائے سے باندھ دیا۔

اور اس طرح ان خواتین و حضرات کا اچھا خاصا دن، جو ہنسی خوشی گزر رہا تھا، برباد ہو گیا۔

(عبداللہ خاور)





بگلا بھگت



سفید پروں والے بگلے جو سنبھل سنبھل کر لمبی ٹانگوں پر چلنے والے پرندے کہے جاتے ہیں، دلدلی علاقوں، دریاؤں، جھیلوں اور تالابوں کے کنارے اپنی لمبی ٹانگوں سے چلتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی یہ خوبی ہے کہ یہ اپنے پروں کو بہت صاف ستھرا رکھتے ہیں۔

دنیا کے ہر علاقے میں جہاں پانی ہوتا ہے، یہ پائے جاتے ہیں۔ یہ پرندے مچھلیاں پکڑ کر بڑے شوق سے کھاتے ہیں۔ ویسے پانی کے پودے، کیڑے مکوڑے اور چوہے بھی ان کی غذا میں شامل ہیں۔ ان میں سے اکثر دانے بھی کھاتے ہیں۔ سفید بگلا جو شاعروں اور ادیبوں کی محبوب تشبیہہ ہے، گرمی کے زمانے میں یورپ کے اکثر شہروں میں پایا جاتا ہے۔ یہ اسپین سے لے کر سویڈن اور یونان تک میں ہر جگہ ہوتا ہے۔ سردی کے موسم میں ہندستان و پاکستان اور افریقہ میں ہوتا ہے۔ یہ پرندہ ہالینڈ، ڈنمارک اور سویڈن میں اکثر گھروں کی چھت پر اپنا گھونسلہ بناتا ہے اور ہر سال اسی جگہ

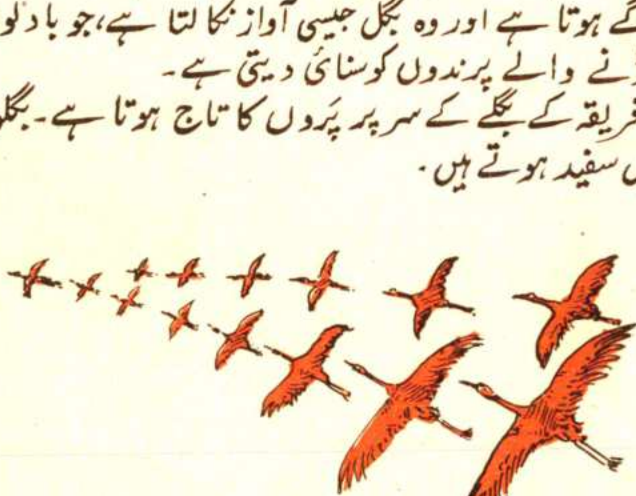
آتا ہے۔

بگلے مچھلی کے بڑے اچھے شکاری ہوتے ہیں اور پانی میں کنارے پر بالکل پتھر کی مورتی کی طرح خاموش کھڑے رہتے ہیں، مگر ان کی آنکھیں تیز ہوتی ہیں اور موقع پاکر فوراً مچھلی کو پکڑ لیتے ہیں۔ ان کی اس عادت کی وجہ سے ہماری زبان میں یہ محاورہ بن گیا ہے کہ وہ صاحب "بڑے بگلا بھگت ہیں"۔

بعض بگلے بڑا لمبا سفر کرتے ہیں، یعنی ہزاروں میل کا۔ یہ ہندستان سے لیپ لینڈ جاتے ہیں۔

یہ اپنی لمبی پرواز شروع کرنے سے پہلے آسمان پر اڑتے ہیں اور دو دو کی زاویہ نما قطار بناکر روانہ ہوتے ہیں۔ ایک بوڑھا پرندہ سب سے آگے ہوتا ہے اور وہ بگل جیسی آواز نکالتا ہے، جو بادلوں سے اوپر اڑنے والے پرندوں کو سنائی دیتی ہے۔

افریقہ کے بگلے کے سر پر پَروں کا تاج ہوتا ہے۔ بگلوں کے پَر بالکل سفید ہوتے ہیں۔



پرواز کرنے کا طریقہ



سفید بگلا جو اپنی لمبی ٹانگوں پر چلتا ہے اور پروں کو صاف ستھرا رکھتا ہے



دریائے نیل کے کنارے رہنے والے عرب اس پرندے کو "ابومرکب" یعنی "جوتے کا باپ" کہتے ہیں۔ اس کے دوسرے نام "جوتے کی چونچ" یا "وھیل مچھلی کے سر والا" بھی ہیں۔



راجہ بگلا، یہ نیلے رنگ کا ہوتا ہے اور امریکہ میں پایا جاتا ہے۔



یہ کھانسنے والا بگلا، "سینڈ ہل کرین" بھی امریکا میں ہوتا ہے۔ اس کا قد آدمی کے برابر ہوتا ہے۔



کھلونوں کا بنک

بنک کا نام سنتے ہی تمھارے ذہن میں اس بنک کا تصوّر آگیا ہوگا، جس میں ہمارے اور سب لوگوں کے پیسے جمع رہتے ہیں، لیکن آج ہم جس بنک کا تعارف کرا رہے ہیں، وہ اٹلی کے شہر "بے کلا" میں ہے اور اس میں پیسوں کے بجائے بچوں کے طرح طرح کے کھلونے سنبھال کر رکھے جاتے ہیں۔ یہ بنک کھلونوں کو محفوظ رکھنے کی فیس پیسوں کی شکل میں وصول کرتا ہے اور اس رقم سے خود بھی نئے نئے کھلونے خریدتا ہے۔

اس بنک کا تمام عملہ بچوں پر مشتمل ہے۔ اس بنک میں کوئی بھی بچّہ نئے یا پرانے کھلونے جمع کرا کر چیک بُک حاصل کر سکتا ہے، جس طرح دوسرے بنک دیتے ہیں۔

اس بنک سے ہر بچہ جو کھلونا چاہے، اپنے گھر لے جا سکتا ہے اور جب اس کھلونے سے اس کا دل بھر جاتا ہے تو وہ اس کھلونے کو واپس بنک میں جمع کرا دیتا ہے، پھر اس کھلونے کا بنک کے پانچ ممبر بچّے معائنہ کرتے ہیں کہ وہ کھلونا خراب تو نہیں ہوا یا اس کو کسی قسم کا نقصان تو نہیں پہنچا۔ جب ان ممبر بچّوں کو کھلونے کے بالکل ٹھیک حالت میں ہونے کا یقین ہو جاتا

ہے تو اُس بچّے کو دوسرا کھلونا دے دیا جاتا ہے۔ ہر کھلونے کو واپس جمع کرتے وقت بڑی سختی سے دیکھ بھال کی جاتی ہے۔

اگر کسی بچّے کے پاس کوئی کھلونا خراب ہو جاتا ہے تو بنک کے ممبر بچّے اس سے کھلونے کی مرمّت کے پیسے وصول کرتے ہیں۔ اس طرح سے بچّے کھلونوں کی دیکھ بھال اور ان کی حفاظت کا طریقہ بھی سیکھ جاتے ہیں۔

اس بنک کو کھلے ہوئے ابھی چند مہینے ہی ہوئے ہیں۔ بنک کے منیجر کا جو کہ خود بھی ابھی بچّے ہیں، کہنا ہے کہ ہم تمام دنیا میں بچّوں کو کھلونوں کے بنک قائم کرنے کا مشورہ دیتے ہیں، تاکہ دنیا کے سب بچّوں کو کھلونوں کی دیکھ بھال اور ان کی حفاظت کرنے کا ڈھنگ آ جائے۔

(شہناز خلیل نعمانی۔ کراچی)

بکری گاڑی

بازار سے سامان لانے کے لیے کسی زمانے میں قلیوں سے کام لیا جاتا تھا۔ آج کل تیز رفتار سواریوں کے زمانے میں موٹر، رکشہ اور ٹیکسی وغیرہ میں ہی رکھ کر سامان لایا جاتا ہے، مگر تھوڑا بہت سامان لے کر قریبی جگہ سے گھر پہنچنے کے لیے انسان کو خود ہی ہمّت کرنی پڑتی ہے۔ اس محنت سے بچنے کے لیے ڈیون شائر برطانیہ کے ایک بارہ سالہ لڑکے رچرڈ نے اپنی پالتو پہاڑی بکری کو سدھایا ہے۔ یہ بکری اسے سالگرہ پر تحفے کے طور پر ملی اور اب رچرڈ بازار جاتا ہے تو سامان اس بکری پر لاد دیتا ہے، جو بڑے اطمینان سے سامان اٹھائے چلی آتی ہے۔

گنجائش نہیں ہے



جوان شیر ببر : (جو حال ہی میں نئے چڑیا گھر میں لایا گیا ہے۔ شیر کا دوسرا پنجرہ نہ ہونے کی وجہ سے بندر کے پنجرے میں رکھا گیا ہے) یہ کیا مذاق ہے، کیلے اور مونگ پھلی ایک شیر ببر کے لیے.... اور بوڑھے ناکارہ شیر کے لیے گوشت۔

بوڑھا شیر : میاں صاحبزادے، دیکھتے نہیں ہو کہ تمھیں بندر کے پنجرے میں رکھا گیا ہے، ظاہر ہے خوراک بھی بندر کی ہی ملے گی۔ اس چھوٹے چڑیا گھر میں دو شیروں کی گنجائش نہیں ہے!

سُورج نے کیا بنایا!

(اسٹیفن ساؤتھ ورلڈ)



ایک سہانی صبح سورج بہت خوش تھا۔ اس نے اپنا ہنستا ہوا چہرہ بادلوں میں سے نکال کر سوئی ہوئی زمین سے کہا، "اب اٹھو، جاگو، رات جاچکی ہے۔" زمین نے منھ بنا کر جواب دیا، "اچھا، اچھا، ٹھیک ہے۔" پھر ایک انگڑائی لی، جسم کو زور سے جھٹکا دیا۔ تمام درخت کانپ اٹھے۔ پرندوں نے خوب چہچہانا شروع کیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اب یہ پرندے خاموش ہی نہیں ہوں گے۔ سورج نے زمین سے پوچھا، "آج کیا آپ کی طبیعت کچھ ناساز ہے؟" زمین نے کہا، "نہیں، میں بالکل ٹھیک ہوں، مگر آپ کو اس طرح نیند سے اٹھانا نہیں چاہیے تھا۔ ابھی کچھ ایسی دیر بھی نہیں ہوئی ہے۔ پھول نہیں جاگے ہیں۔ مکڑی نے اپنے جالے سے شبنم کے قطرے بھی نہیں گرائے ہیں۔ آپ کو مجھے ابھی اور سونے دینا چاہیے تھا۔ اس قدر سختی نہیں برتنی چاہیے۔" سورج نے تنک کر کہا، "میں

نے جو کچھ کیا ہے، وہ بالکل ٹھیک ہے۔ یہ میرا فرض ہے کہ تم جیسے سست لوگوں کو جلد اٹھا دوں۔ تم کو میرا احسان ماننا چاہیے، بغیر میرے تم کچھ بھی نہیں ہو۔" زمین نے کہا، "خوب، کیا کہنے ہیں جناب کے، آپ اس قدر اہم ہستی تو نہیں ہیں کہ آپ کے بغیر دنیا کا کام نہ چل سکے۔ مرغا نہیں ہوگا تو کیا صبح ہی نہیں ہوگی۔ تمھارا کام صرف یہ ہے کہ آسمان پر ایک سرے سے دوسرے سرے تک جاؤ اور ہم کو گرمی پہنچاؤ، مگر یاد رکھو یہ کام بھی تم ہمیشہ نہیں کرتے ہو۔ میں نے اکثر تمھیں بادلوں کے پیچھے چھپے ہوئے دیکھا ہے۔" سورج نے منھ بسور کر کہا، "ٹھیک ہے، مگر یہ تو سوچو میں کس قدر حسین ہوں۔" زمین اب نیند سے ہوشیار ہو چکی تھی۔ اس نے کہا کہ میں نے کبھی آپ کے چہرے کی طرف غور سے دیکھا ہی نہیں۔ اب جب کہ خوب صورتی کا ذکر چھڑ گیا ہے تو میرے متعلق بھی سوچ لو۔ سورج نے کہا کہ میں سوچ رہا ہوں، مگر وہ خوب صورتی ہے کہاں۔ اس نے فوراً جواب دیا کہ یہ درخت، یہ پرندے، یہ آب شار، یہ دریا، یہ پہاڑ... سورج نے بات کاٹ کر کہا، "مگر چاند اور ستارے میرے ہیں۔ کیا تم ان کا مقابلہ کر سکتی ہو؟" زمین نے کہا، "ارے ان سے مقابلہ کیسا! کیا تم نے میرے پھول دیکھے ہیں، گلاب، سورج مکھی، گل شبّو، نرگس، کنول، چنبیلی وغیرہ وغیرہ ....."

یہ باتیں سورج کے لیے بہت کافی تھیں۔ وہ شرمندہ ہو کر منھ لٹکائے خاموش ہو گیا اور بادلوں کے پیچھے جا چھپا۔ کافی عرصے وہاں رہنے پر ایک دن بادلوں نے کہا کہ اب



آپ زمین پر کیوں نہیں چمکتے؟ آپ کو یہاں آئے کافی عرصہ ہوگیا ہے"۔ سورج نے کہا "زمین کو اپنے پھولوں پر بہت ناز ہے۔ مجھے یہ بات پسند نہیں ہے۔" پھر سورج نے وہ قصہ دہرایا، جو زمین کے ساتھ پیش آیا تھا۔ بادلوں نے کہا "گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ فوراً بارش سے ملیں۔ وہ ضرور آپ کی مدد کرے گی اور ممکن ہے کوئی ایسی



چیز بنانے میں مدد دے، جو پھولوں سے زیادہ خوب صورت ہو۔ سورج نے بارش کو تمام قصہ سُنایا۔ بارش نے کہا کہ یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے، جس کے لیے آپ اس قدر پریشان ہیں۔ آپ اپنے بچوں کو زمین پر بھیج دیجیے اور ان کو تاکید کر دیجیے کہ وہ زمین پر سے رنگ چُرا کر لے آئیں اور پھر آپ ایک خوب صورت... (آہستہ سے کچھ بات کان میں کہی)۔ سورج خوش ہوگیا۔

اس نے اپنی شعاعیں زمین پر پہنچادیں۔ شعاعوں نے سرخ رنگ گلاب سے، پیلا سورج مکھی سے اور نیلا، نارنجی اور بنفشئی رنگ دوسرے پھولوں سے اور سبز رنگ پتّوں سے چُرالیا اور واپس آگئیں۔

اب سورج اور بارش نے مل کر ایک رنگین کمان بنائی، جس میں سات رنگ تھے اور اس کا ایک سرا آسمان کے ایک طرف اور دوسرا سرا دوسری طرف رکھ دیا۔ یہ قوسِ قزح تھی۔ پھر بہت شان سے اکڑ کر سورج نے زمین کو پکار کر کہا، "دیکھو یہ کمان کیسی ہے۔ تمھارا اس کے متعلق کیا خیال ہے؟" زمین صرف مسکرائی اور بولی "کمان تو بہت حَسین ہے، مگر کیا اس میں بھی وہی بھینی بھینی خوش بو ہے، جو گلاب کے پھولوں میں ہوتی ہے؟" سُورج لاجواب ہوگیا اور وہاں سے چلا گیا اور شاید اب تک اِس فکر میں ہے کہ وہ دوسری کمان (قوسِ قزح) بنائے، جس میں پھولوں کی سی خوش بُو بھی ہو، تاکہ زمین کی بات کا جواب دے سکے۔


سعالین
سعالین
سعالین
ہمدرد



تین سو سال غار میں

قاضی شفیق الرحمٰن

ایک تہوار کے روز بہت سے لوگ اپنی عبادت گاہ جانے کی تیاریاں کر رہے تھے اور بہت سے تیار ہو کر بادشاہ کی سواری کے انتظار میں تھے اور سڑک کے دونوں طرف قطار باندھے کھڑے تھے۔

تھوڑی دیر بعد بادشاہ کی سواری دور سے نظر آئی۔ بادشاہ کی گھوڑا گاڑی بہت ہی خوب صورت تھی اور سونے چاندی اور ہیروں سے جڑی جھم جھم کرتی قریب آ رہی تھی۔ بادشاہ کے ساتھ اس کے درباریوں کے کئی خوب رُو جوان لڑکے بھی تھے۔ جب بادشاہ کی سواری قریب آگئی تو سب کھڑے ہوئے اور لوگ بادشاہ کی تعظیم کے لیے جھک گئے۔ بادشاہ کی سواری جہاں جہاں سے گزرتی، سب لوگ ادب سے جھک جاتے، یہاں تک کہ بادشاہ کی سواری عبادت گاہ تک پہنچ گئی۔ وہاں بادشاہ اور سب جوان اتر گئے۔

اس عبادت گاہ میں پتھروں کے بُت رکھے تھے۔ بادشاہ ان بتوں کے سامنے سجدے میں گر گیا۔ اس کے ساتھ سب لڑکے بھی سجدے میں گر گئے لیکن ایک لڑکا سیدھا کھڑا رہا اور اس نے بتوں کو سجدہ نہیں کیا۔ اس کھڑے ہوئے لڑکے پر بادشاہ کی نظر تو نہیں پڑی، البتہ اسے دُوسرے لڑکوں نے دیکھ لیا اور وہ سمجھ گئے کہ اس لڑکے کے دل میں ان بتوں کا کوئی ادب و احترام نہیں ہے۔

بادشاہ عبادت ختم کر کے نوجوان لڑکوں کے ساتھ واپس اپنے محل کی طرف رَوانہ ہوا۔ لوگ راستے میں ابھی

تک کھڑے تھے ۔ بادشاہ قریب آتا تو وہ جھک جاتے، یہاں تک کہ بادشاہ محل میں داخل ہوگیا اور محل کے دروازے بند کر لیے گئے ۔ بادشاہ کے عبادت خانے سے واپس چلے جانے کے بعد دوسرے لوگوں کو عبادت کرنے کی اجازت دے دی گئی ۔

اسی دن رات کے وقت جب سب جوان لڑکے اپنے گھر جانے کے لیے باہر نکلے تو اُن سب نے اُس جوان لڑکے کو گھیر لیا، جس نے بتوں کو سجدہ نہیں کیا تھا اور اس سے کہا، ہم آج کے واقعہ پر تم سے بات چیت کرنا چاہتے ہیں ۔

اس لڑکے نے کہا، آئیے میرے گھر چلیے، وہاں اطمینان سے اس کے متعلق باتیں کریں گے۔"

گھر پہنچ کر سب لڑکوں نے اس سے پوچھا" تم نے آج اپنے معبود کی عبادت کیوں نہیں کی ؟"

اس لڑکے نے جواب دیا،" ہاں، آج میں اپنے اس خدا کے بارے میں ہی سوچ رہا تھا کہ یہ تو پتھر کی مورتی ہے، نہ اس میں سننے کی قوت ہے، نہ دیکھنے کی اور نہ یہ کسی کو فائدہ پہنچا سکتا ہے اور نہ نقصان، تو پھر اس کی عبادت کرنے سے فائدہ کیا؟" وہ بولے،" کیا تم ہمارے معبود کو نہیں مانتے ؟" اس لڑکے نے جواب دیا،" میں اس پتھر کے معبود سے انکار کرتا ہوں اور اس خدا کی عبادت کرتا ہوں، جس نے آسمان کو بنایا اور اس میں چاند، سورج اور ستارے بھی جڑ دیے اور جس نے زمین کو ہموار بنایا اور اس میں طرح طرح کی چیزیں اگائیں، نہریں جاری کیں، اتنے بڑے بڑے پہاڑ بنائے ۔"

وہ سب لڑکے کچھ دیر خاموش ایک دوسرے کا منھ دیکھتے رہے، پھر ان میں سے ایک بولا،" میرا بھی یہی خیال ہے کہ جس پتھر کی مورتی کو ہماری قوم پوجتی ہے، اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے ۔ اِس لیے کہ میں نے دیکھا ہے کہ لوگ خود ہی تو اسے تراشتے ہیں اور پھر خود ہی اسے عبادت گاہ میں رکھ دیتے ہیں اور پھر اسے سجدہ کرنے لگتے ہیں اور اس سے ہی مدد مانگتے ہیں ۔"

میں نے اپنے بارے میں سوچا کہ میں پہلے چھوٹا سا شیر خوار بچّہ تھا، پھر کھانے پینے لگا اور دیکھنے اور سننے لگا، پھر میں بڑا ہوا اور اچھائی، بُرائی کو سمجھنے لگا۔ یہ سب باتیں کیسے ہوئیں۔ میرا خیال ہے کہ جس نے مجھے پیدا کیا اور مجھے اتنا بڑا بھی کیا تو وہ خود تو بڑا زبردست ہوگا۔ تو اب میں بھی اسی خدا کی عبادت کرتا ہوں اور اس سے دعائیں مانگتا ہوں۔ آخر وہ سب کے سب تھوڑی بحث کے بعد اس ذات پر ایمان لے آئے، جو کہ آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے۔"

اس کے بعد یہ سب لڑکے روز رات کو ایک کے گھر جمع ہوتے اور رات بھر اللہ تعالٰے کی عبادت کرتے۔ ایک رات بادشاہ کا ایک کارندہ بھی وہاں آنکلا اور اس نے ان کو خدائے واحد کی عبادت کرتے دیکھ لیا اور پوچھا تم لوگ یہ کیا کر رہے ہو؟ •

ان لڑکوں نے جواب دیا،"ہماری قوم پتھر کو پوجتی ہے اور ہم تو اس ذات کی عبادت کرتے ہیں، جس نے زمین اور آسمان پیدا کیے۔ تم بھی اللہ پر ایمان لے آؤ اور اپنا پرانا مذہب چھوڑ دو۔"

اس کارندے نے جواب دیا، "بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میرے تو ماں باپ اور پورا خاندان ان پتھروں کو پوجتا آیا ہے۔ میں تو تمھارے اللہ پر ایمان نہیں لاتا۔" یہ کہہ کر وہ سیدھا بادشاہ کے پاس گیا اور بادشاہ کو اطلاع دی کہ چند لڑکے ہمارے مذہب سے پھر گئے ہیں اور ایک نئے مذہب کی پیروی کر رہے ہیں۔

بادشاہ یہ سن کر غصّے سے لال بھبھوکا ہوگیا اور ان لڑکوں کو گرفتار کرنے کا حکم دے دیا، تاکہ ان کو سزا دے۔

اِدھر ان لڑکوں کو بھی یہ معلوم ہوگیا کہ بادشاہ نے ان کی گرفتاری کا حکم دے دیا ہے اور نہ معلوم بادشاہ ہمیں قتل کرے یا قید میں ڈال دے۔ یہ سوچ کر سب لڑکوں نے بادشاہ کے ملک سے بھاگ جانے کا فیصلہ کیا اور وہ سب لڑکے اپنے اپنے گھوڑوں

پر سوار ہو کر چھپتے چھپاتے روانہ ہو گئے۔ انھوں نے شہر کے دروازے سے نکل کر اپنے گھوڑے چھوڑ دیے اور پیدل روانہ ہو گئے۔ کچھ دیر بعد وہ اپنے ایک دوست کے کھیت میں جا پہنچے۔ وہ دوست بھی ان کی طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا۔ اس کو جب یہ سارا واقعہ معلوم ہوا تو وہ بھی ان سب دوستوں کے ساتھ چل پڑا۔ اس کے ساتھ اس کا کتا بھی ہو لیا۔ وہ سب شام تک چلتے رہے اور رات سر پر دیکھ کر رات گزارنے کی جگہ تلاش کرنے لگے۔ آخر انھیں ایک پہاڑ میں غار مل ہی گیا۔ وہ سب اس میں گھس گئے۔ کتا بھی ان کے ساتھ تھا۔

ان میں سے ایک نے کہا "کہیں اس کتے کی بھونکنے کی آواز سے ہم پکڑے نہ جائیں، اس لیے اس کو بھگا دینا چاہیے۔" کتے کو بھگایا گیا لیکن وہ نہ بھاگا اور وہیں بیٹھ گیا۔

دوسرے نے کہا "خیر! اسے یہیں چھوڑ دو۔ یہ ہماری حفاظت کرے گا۔"

اس کے بعد وہ سب غار میں سو گئے اور کتا بھی سو گیا۔

ادھر وہ بادشاہ اور اس کے سپاہی ان کی تلاش میں پھرتے ہوئے اسی غار تک پہنچ گئے۔ انھوں نے دیکھا کہ سورج نکلنے کے باوجود غار میں گھپ اندھیرا ہے۔ یہ دیکھ کر وہ ڈر گئے۔ بادشاہ نے اپنے سپاہیوں سے کہا "تم اندر جا کر دیکھو۔" مگر کسی سپاہی میں اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ غار کے اندر جا سکے۔ آخر ایک افسر نے بادشاہ سے پوچھا "جناب! آپ انھیں قتل کرنا چاہتے ہیں نا؟"

بادشاہ نے کہا "ہاں، ہاں!"

اس افسر نے کہا "اس غار کا منھ پتھروں سے بند کرا دیجیے۔ وہ خود بہ خود اندر دم گھٹ کر مر جائیں گے۔"

بادشاہ افسر کی اس تجویز سے بہت خوش ہوا اور حکم دیا کہ اس غار کے منھ کو بڑے بڑے پتھروں سے بند کر دیا جائے، پھر اس نے چلتے چلتے کہا "دیکھتا ہوں ان کا رب ان کو کیسے اس غار سے نکالتا ہے؟"

وہ سب لڑکے نیند سے اٹھے۔ ان کی آنکھیں ابھی تک نیند سے بوجھل تھیں، ان میں سے ایک نے پوچھا "ہمیں اس غار میں کتنی دیر ہوئی ہوگی؟"

دوسرے نے کہا "بس یہی کوئی ایک آدھ دن۔"

تیسرے نے کہا" مجھے تو بھوک لگ رہی ہے۔"

اس پر سب بولے" ہاں بھوک تو ہمیں بھی لگ رہی ہے۔"

ان میں ایک بولا" جاؤ تم بازار سے کھانا لے آؤ۔"

تیسرے نے کہا" نہیں! میں جاتا ہوں۔ ان کو تو بادشاہ یا ان کے سپاہی پہچان لیں گے۔" وہ جوان کھڑا ہوا اور جب غار کے دروازے پر آیا تو اس نے غار کا دروازہ پتھروں سے بند پایا، البتہ ایک سُوراخ اس میں تھا، جس سے روشنی اور ہَوا آرہی تھی۔ اس نے وہاں سے ایک دو پتھر ہٹا کر راستہ بنایا اور غار سے باہر نِکل گیا۔ وہ ڈر رہا تھا کہ کہیں اس پر بادشاہ کے سپاہیوں کی نظر نہ پڑ جائے، ورنہ وہ اسے گرفتار کرلیں گے۔

پہاڑ سے نیچے اترنے کے بعد جب وہ سڑک پر آیا تو اس نے راستہ بدلا ہوا پایا، وہ ایسی سڑک پر چل رہا تھا، جس کو اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا، وہ حیران پریشان آگے پیچھے دیکھتا ہوا شہر میں داخل ہوا۔ شہر کا دروازہ بھی اسے بدلا ہُوا نظر آیا۔ اس نے اپنی آنکھیں مَلیں اور سر پر چٹکیاں بھی لیں کہ کہیں وہ خواب تو نہیں دیکھ رہا ہے۔ وہ سوچنے لگا، لو یہاں تو ایک رات میں دنیا ہی بدل گئی۔ یہ کہتا ہوا وہ ایک دکان کے قریب سے گزرا۔ وہ دکان بھی اسے نئی معلوم دی۔ دکان دار کو دیکھا تو وہ بھی نیا شخص تھا۔ آخر تنگ آکر اس نے جیب سے ایک چاندی کا سکّہ نکالا اور تندور پر گیا اور سکّہ دے کر روٹیاں مانگیں۔ بھٹیارے نے چاندی کا سکّہ لیا اور اسے الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا، پھر اس نوجوان سے پوچھا" میاں برخوردار، یہ کیا ہے؟"

" چاندی کا سکّہ، جو ہمارے ملک میں چلتا ہے، دیکھو اس پر بادشاہ کی تصویر بھی ہے۔"

"کِس بادشاہ کی تصویر ہے؟"

" ارے بھئی اسی ملک کے بادشاہ کی۔" نوجوان بولا۔

بھٹیارے نے کہا" میرا تو خیال یہ ہے کہ تمھیں کوئی خزانہ مل گیا ہے، اس لیے کہ یہ چاندی کا سکّہ تو بہت پرانے زمانے

کا ہے، آج کل یہ سکہ نہیں چلتا۔"

"یہ بھی خوب رہی، قبلہ کل شام تو میں نے ان ہی پیسوں سے روٹیاں خریدی تھیں اور میں اس شہر سے کل ہی گیا تھا۔" وہ لڑکا بولا۔

بھٹیارا بولا" بالکل نہیں برخوردار، میں تو تمھیں اب پولیس کے حوالے کرونگا، تاکہ وہ تمھیں بادشاہ کے پاس لے جائے۔"

وہ جوان بولا، "خدا کے واسطے ایسی غلطی مت کرنا، بادشاہ تو مجھے قتل کر دیگا، اِس لیے کہ میں نے اس کا مذہب چھوڑ دیا، یعنی بتوں کی پوجا سے توبہ کرکے اللہ کی عبادت کرنے لگا ہوں۔"

بھٹیارہ بولا" یہ مت سمجھو کہ تم مجھے باتوں میں لگا کر بھاگ جاؤ گے، اِس لیے کہ نہ تو ہم بتوں کو پوجتے ہیں اور نہ ہمارا بادشاہ اللہ کی عبادت کرنے والوں کو قتل کرتا ہے۔" یہ کہہ کر اس نے پولیس والے کو آواز دی اور اس کو وہ چاندی کا سکہ دکھایا، جو نوجوان سے لیا تھا۔ پولیس والا بھی اس نوجوان کو گھور گھور کر دیکھنے لگا، پھر کہا، "آؤ تمھیں بادشاہ کے پاس لے چلوں، اس لیے کہ یہ سکہ تو بہت قیمتی ہے اور اس کو بادشاہ کے حوالے کرنا چاہیے۔" وہ نوجوان ڈرتا اور کانپتا ہوا پولیس والے کے ساتھ چلنے لگا جب وہ سپاہی کے ساتھ بادشاہ کے محل میں داخل ہوا اور بادشاہ کو دیکھا تو بادشاہ بھی کوئی دوسرا ہی نظر آیا۔

بادشاہ نے پوچھا "ان کا کیا معاملہ ہے؟" سپاہی نے کہا، "ان کو پرانا خزانہ ملا ہے اور یہ اقرار نہیں کرتا۔"

نوجوان بولا" جہاں پناہ، میں اسی شہر کا رہنے والا ہوں۔ مجھے تو خزانہ نہیں ملا۔" بادشاہ نے کہا،" اچھا تم کہاں یعنی کس محلے میں رہتے تھے؟" نوجوان نے محلے کا نام بتایا۔ بادشاہ نے چند وہیں رہنے والوں کے نام لیے، لیکن نوجوان ان میں سے کسی کو نہ جانتا تھا۔ نوجوان بولا" جناب، دراصل کل میں اپنے بادشاہ دقیانوس سے ڈر کر شہر سے بھاگ گیا تھا۔" بادشاہ بولا" تعجب ہے؟ دقیانوس کو تو مرے ہوئے تین سو سال ہو گئے۔" "جی...... تین .... سو ..... سال! میں کل ہی تو شہر سے باہر گیا تھا۔" نوجوان گھبراتے ہوئے بولا۔

بادشاہ نے کہا" بھئی تمھاری باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں۔" بادشاہ نے اس

نوجوان نے سب سکّے لے کر ان کو دیکھا اور کہا "ہاں بھئی یہ سکّے تو تین سو سال پرانے ہیں"۔

"تو کیا ہم غار میں تین سو سال تک سوتے رہے؟" نوجوان بولا۔

"تم سوئے تھے؟ کہاں غار میں؟ تمھارے ساتھ اور کون کون ہیں؟" بادشاہ نے پوچھا۔ نوجوان نے کہا "میں اور میرے وہ ساتھی جو کہ دقیانوس بادشاہ سے ڈر کر بھاگ گئے تھے۔" بادشاہ بولا "مجھے یقین نہیں آتا۔" "اچھا تو آپ میرے ساتھ آیئے اور میرے ساتھیوں سے بھی پوچھ لیجیے۔" نوجوان نے کہا۔

بادشاہ اور اس کے سپاہی اور وہ نوجوان گھوڑوں پر سوار ہو کر اس پہاڑ کی طرف چل دیے۔ جب وہ اس کے قریب پہنچے تو نوجوان نے بادشاہ اور سپاہیوں سے کہا "آپ حضرات ذرا یہیں رک جائیں، وہ کہیں گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز کو دقیانوس کی فوج سمجھ کر ڈر نہ جائیں۔ آپ ذرا ٹھیریں، میں اپنے ساتھیوں کو جا کر اطلاع کر دوں۔" یہ کہہ کر وہ نوجوان تو چلا گیا اور بادشاہ اپنے سپاہیوں کے ساتھ وہیں کھڑا رہا۔

نوجوان نے اندر جا کر اپنے ساتھیوں سے کہا "اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں دقیانوس سے نجات دی۔ اچھا! دقیانوس کو تو چھوڑو۔ ذرا تم یہ بتاؤ کہ ہم اس غار میں کتنی دیر رہے؟"

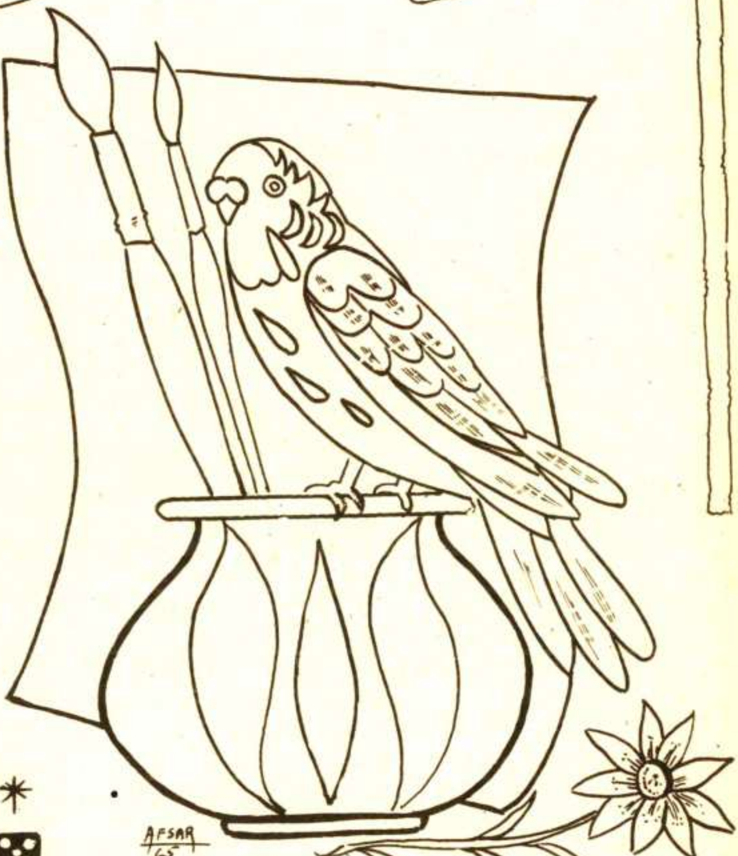
سب کے سب ایک دم بولے، "ارے بس، یہی کوئی ایک آدھ دن۔"

نوجوان بولا "نہیں تو، ہم تو متواتر تین ..... سو ..... سال سوئے ہیں! دقیانوس تو کبھی کا مر چکا۔ اب تو باہر کی دنیا ہی بدل گئی ہے۔"

اُسی وقت ان سب کو پھر نیند آنے لگی اور وہ سو گئے۔ ادھر بادشاہ اور اس کے سپاہی انتظار کرتے کرتے تھک گئے تو وہ سب غار میں داخل ہو گئے۔ انھوں نے دیکھا، وہ نوجوان اور اس کے ساتھی سب سوئے ہوئے ہیں۔ بادشاہ بولا، "سبحان اللہ، دیکھو کتنا بڑا معجزہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس بات پر بھی قادر ہے کہ تین سو سال گزرنے کے بعد بھی ان کو زندہ کر سکتا ہے اور وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ وہ لوگوں کو مٹی ہونے کے بعد بھی زندہ کر سکتا ہے۔"

یہ نوجوان "اصحاب کہف" یا غار والے کہلاتے تھے۔

رنگ بھریے



محنت

خواجہ عبدالمجید

محنت اور شفقت کی عادت بڑی اچھی عادت ہے۔ محنتی بچّہ وہ ہے، جو ایک دفعہ ایک کام کو اپنے ہاتھ میں لے لے تو اُسے اس وقت تک نہ چھوڑے جب تک اُسے ختم نہ کرے۔ ایک طالب علم اس وقت محنتی کہلا سکتا ہے جب وہ اپنے سبق کو توجہ سے یاد کرے اور اس وقت تک اُسے نہ چھوڑے جب تک اچھی طرح سمجھ نہ لے یا ازبر یاد نہ کرلے۔

تندہی اور محنت کے بغیر ایک طالب علم کبھی بھی کامیابی حاصل نہیں کرسکتا۔ شروع میں ہر کام مشکل معلوم ہوتا ہے۔ ایک بچّہ جو چلنا سیکھ رہا ہوتا ہے، وہ لاتعداد ٹھوکریں کھاتا ہے، گرتا ہے، لیکن اُس وقت تک کوشش جاری رکھتا ہے جب تک وہ صحیح اور سیدھا چلنا سیکھ نہیں لیتا ایک یا دو دن میں کوئی شخص بھی کسی بات میں ماہر نہیں ہوسکتا۔ اکثر اوقات کسی خاص چیز میں مہارت پیدا کرنے کے لیے مہینوں اور سالوں کا عرصہ لگ جاتا ہے۔ اگر ایک طالب علم تیرنا چاہتا ہے تو اُس کو ابتدائی تربیت کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ اُسے گہرے پانی میں جان جوکھوں میں ڈال کر محنت کرنی پڑے گی، تب وہ آہستہ آہستہ تیرنا سیکھ سکے گا اور تیراک کہلائے گا۔

بعض طالب علم جب کسی چیز کو شروع کرتے ہیں تو ابتدا ہی میں اکثر وہ مشکلات کو دیکھ کر ہمت ہار دیتے ہیں۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ اس طرح تو ان کی اہلیت اور قابلیت کی تمام توقعات ختم ہو جائیں گی اور

وہ نالائق کہلائیں گے ۔ ہمت نہیں ہارنا چاہیے ۔ مشکلات کتنی ہی کیوں نہ نظر آئیں ہمت اور مستقل مزاجی سے اِن پر قابو پایا جا سکتا ہے ۔ وقت آنے پر وہ کامیابی حاصل ہو جاتی ہے۔ یہ بات علیحدہ ہے کہ ایک ذہین طالب علم تھوڑے وقت میں محنت کر کے کامیابی حاصل کر لیتا ہے ۔ اس کے مقابلے میں کمزور طالب علم کو ذرا زیادہ محنت کرنی پڑتی ہے ۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ اوسط درجہ کے ذہین لڑکوں نے جب لگاتار محنت کی تو انھوں نے ذہین طالب علموں کو مات دے دی ۔ اس کی وجہ سمجھنا مشکل نہیں ہے ۔ ذہین لڑکوں کو اپنی ذہانت پر فخر کرنے کا حق ہے، لیکن وہ اپنے کام میں جب غفلت برتنا شروع کر دیتا ہے تو اوسط درجے کے طالب علم سے مات کھا جاتا ہے ۔ اس لیے تمھیں چاہیے کہ تم اتنی محنت کرو کہ ہر مشکل آسان ہو جائے، یہاں تک کہ لائق لڑکوں سے کندھے سے کندھا ملا کر ترقی کے میدان میں آگے ہی آگے بڑھتے جاؤ ۔ محنت خوش نصیبی کی ماں ہے ۔ محنت کرو گے تو خوش نصیبی قدم چومے گی

پاکستان

۱ - پاکستان دنیا کی سب سے بڑی اسلامی ریاست ہے ۔
۲ - پاکستان (مشرقی) میں سب سے زیادہ پٹ سن پیدا ہوتا ہے ۔
۳ - پاکستان (کھیوڑہ) میں سب سے زیادہ نمک پایا جاتا ہے ۔
۴ - پاکستان (جیکب آباد) دنیا کا گرم ترین علاقہ ہے ۔
۵ - پاکستان (مشرقی) دنیا کا گنجان ترین آباد علاقہ ہے ۔
۶ - پاکستان (مشرقی) میں دنیا کا سب سے بڑا ڈیلٹا ہے ۔
۷ - پاکستان (سکھر بیراج) میں دنیا کا سب سے بڑا بیراج ہے ۔
۸ - پاکستان عالمی اسکوائش کا چمپین ہے ۔

(محمود منظور، کراچی)



ناؤ کاغذ کی

کوثر چاند پوری

ساجد بڑا ذہین اور چلبلا لڑکا ہے۔ بات کا جواب نہایت برجستہ دیتا ہے۔ یوں بھی اس کی ہر بات میں ایک جدّت ہوتی ہے۔ ایک مرتبہ اس کا ایک ساتھی دوڑتا ہوا سامنے سے نکلا، ساجد نے پکار کر کہا،

"ٹھہرو ایک بات کہوں گا۔"

وہ کھڑا ہو گیا، پوچھا کیا کہہ رہے تھے؟

"اب کیا کہوں تم کھڑے ہو، بھاگ رہے ہوتے تو ضرور کہتا۔"

اماں جان نے ڈانٹا، "ساجد، سڑک پر مت کھیلا کرو، خدا نہ کرے کوئی موٹر اوپر سے گزر گئی تو کیا ہوگا؟"

"پروا مت کیجیے اماں جان،" وہ بولا، "میرے اوپر سے نہ جانے کتنے ہوائی جہاز گزر گئے ہیں۔"

"تجھ سے کون بات کرے تو تو سب کا بڑا ہے۔"

"اگر میں سب کا بڑا ہوں تو آپ کو میری ڈانٹ بھی کھانی پڑے گی۔"

ایک مرتبہ ساجد نے بلّی کا ایک عمدہ سا بچّہ پال لیا۔ اس کی ماں ایرانی

نسل کی تھی، باپ شاید ترکی ہو گا۔ بچّہ بہت خوب صورت اور پیارا پیارا تھا۔ بالکل ننھا منّا، نیلی نیلی آنکھیں نرم نرم ریشم کی طرح بال اور سوئیوں کی مانند پتلے پتلے ناخن۔ ساجد نے اس کا نام رکھا، "سندباد"۔ پتہ نہیں اس نام کی تک کیا تھی، مگر بہت سی باتیں بالکل بے تکی بھی ہوتی ہیں۔ اس نے یہ نام کسی کہانی میں پڑھ لیا ہو گا۔ یہ کیا خبر ایسے نام آدمیوں کے ہوتے ہیں یا جانوروں کے۔ ساجد "سندباد" سے بڑی محبّت کرنے لگا۔ وہ اُسے دودھ پلاتا، بالائی اور حلوہ کھلاتا، رات کو اپنے پاس ہی بستر پر سلاتا۔ سندباد بھی اس سے بہت ہل گیا، کھاتے وقت میز پر آ بیٹھتا، کسی چیز میں منھ نہ ڈالتا، بس بیٹھا ٹکر ٹکر دیکھتا ہی رہتا۔ رات کو گھر میں ایک بن بلاؤ آیا کرتا تھا۔ بڑا موٹا تازہ خونخوار اور لڑاکو۔ وہ پالتو بلیوں کا جانی دشمن تھا۔ کسی بلی کو دیکھ لیتا تو فوراً حملہ کر بیٹھتا۔ کوئی بچانے نہ پہنچتا تو نکیلے ناخنوں سے لہو لہان

کر دیتا۔ ایک رات کو سندباد، ساجد کے پاس سو رہا تھا، اس نے دیکھا پلنگ کے نیچے ایک سانپ رینگ رہا ہے۔ شاید وہ چوہوں کی تلاش میں گھوم رہا تھا۔ "سندباد" کود کر زمین پر آ گیا اور زور سے سانپ کے پھن پر پنجہ مارا، پھر دوسرا اور تیسرا، سندباد بہت بپھرا ہوا تھا۔ غالباً سوچ رہا تھا کہ میرے مالک کو کاٹنے آیا ہے۔ تیسرا پنجہ مار کر وہ پیچھے ہٹا ہی تھا اور ایک جگہ بیٹھا داؤں لگا رہا تھا۔ وہ چوتھے حملے کے لیے اپنی طاقت کو اکھٹا کر کے جھپٹنے ہی والا تھا کہ اسی وقت بن بلاؤ اُدھر آ نکلا۔ اس کے سامنے دو شکار تھے، سندباد اور سانپ، سانپ پہلے ہی اَدھ مرا ہو چکا تھا، پھر بھی بن بلاؤ سانپ ہی پر جھپٹا۔ اس نے ذرا سی دیر میں اسے جھنجھوڑ ڈالا، پھر سندباد کی طرف رُخ کیا، جو ذرا ہٹ کر ایک اندھیرے کونے میں جا بیٹھا تھا، مگر آنکھیں چنگاریوں کی طرح چمک رہی تھیں۔ بن بلاؤ تیر کی طرح لپکا اور غرّا کر سندباد

کی گردن چوہے کے مانند منھ میں دبالی۔ سند باد کے منھ سے ایک چیخ نکلی اور رات کے سنّاٹے میں گونج گئی۔ گھر کے سب لوگ جاگ گئے۔ ساجد بھی آنکھیں ملتا ہوا اٹھ بیٹھا۔ اب تک سندباد کو بڑی حفاظت سے رکھا گیا تھا۔ بن بلاؤ کو اس کی ہوا تک نہیں لگی تھی۔ سب جانتے تھے کہ وہ بلّیوں اور ان کے چھوٹے چھوٹے بچّوں کا جانی دشمن ہے۔ جہاں کوئی بلّی یا بچّہ دیکھ پاتا ہے اٹھاکر بھاگ جاتا ہے یا وہیں چیر پھاڑ کر پھینک دیتا ہے۔ سند باد اب تک اس سے بچا ہوا تھا۔ کبھی زد پر نہ آیا تھا، مگر آج ہتھے چڑھ گیا۔ بلاؤ اسے اٹھاکر مکان کی چھت پر لے گیا، سندباد ایک مرتبہ اور چیخا، غالباً وہ ساجد کو مدد کے لیے پکار رہا تھا:

"ساجد دوڑو، اس موذی نے میرا گلا گھونٹ ڈالا!"

ساجد نے یہ الفاظ صاف طور پر سنے، جیسے کسی آدمی کے منھ سے نکلے ہوں۔ اس وقت وہ سمجھ نہ سکا کہ یہ اسی کے اندر سے آئی ہوئی آواز تھی۔ دوسری چیخ کے بعد سندباد ہمیشہ کے لیے خاموش ہوگیا۔

گھر کا ہر آدمی ٹارچ، ڈنڈا اور پتھر لے کر دوڑا۔ بلاؤ چھلاوے کی طرح اُچھلا کودا اور یہ جا وہ جا۔ وہ دوسری چھت کو پھلانگ کر بھاگ گیا پہلی چھت کا زینہ مکان کے دوسرے حصّہ میں تھا۔ جلدی سے سیڑھی لگا کر، ساجد کا بڑا بھائی اوپر گیا۔ وہاں سندباد کا آدھا دھڑ خون میں لت پت پڑا تھا۔ آدھا شاید بلاؤ کے پیٹ میں سما گیا تھا۔ وہ آدھا دھڑ بڑی دھوم دھام سے نیچے لایا گیا، ساجد کے منھ سے چیخیں نکلنے لگیں:

ہائے میرا سند باد!

اس کی بہن رندھی ہوئی آواز میں بولی:

آنکھیں تو کھلی رہ گئیں پر مَر گیا بلّا!

سند باد ہاتھ پاؤں تک نہ ہلا رہا تھا۔ چپ چاپ زمین پر پڑا تھا، اب تک کسی نے سانپ کی طرف دھیان

ہی نہ دیا تھا۔ اماں جان کی نظر اس پر پڑ گئی۔ وہ بھیانک آواز میں بولیں :

سانپ !

ایک دم ٹارچ کی روشنی پڑی سانپ بالکل کالا تھا۔ مرا نہیں تھا۔ ابھی تک سسک رہا تھا۔ ساجد کے بھائی نے پتھر سے اس کا سر کچل ڈالا، زمین پر سند باد کے پنجوں کے نشانات تھے۔ فوراً ہی اصل بات سمجھ میں آگئی۔ سند باد اسی کو دیکھ کر پلنگ سے کودا ہوگا اسی وقت بلاؤ آگیا ہوگا۔

بڑا وفادار تھا، اپنے مالک پر قربان ہو گیا۔

"ضرور تھا!" ساجد کی بہن بولی، "اللہ جنّت نصیب کرے۔"

چھوٹے بڑے سب رنج اور افسوس میں مبتلا تھے، یہ الفاظ سن کر ہنس پڑے۔

ساجد بولا، "ہنسنے کی کیا بات ہے۔ اماں جان اپنے ابّا کے لیے بھی تو یہی دعا مانگا کرتی ہیں۔"

کوئی اور وقت ہوتا تو ساجد کی خوب گوشمالی ہوتی، مگر اس موقعہ پر ان کے لیے سات خون معاف تھے۔

اب بلاؤ پر لعنت ملامت کی جانے لگی :

بڑا ظالم ہے !
مجھے اس کی صورت سے ڈر لگتا ہے۔
ہے بھی تو بالکل شیر کی طرح،
اور مجھے اس سے گھن آتی ہے۔
خدا کرے وہ ابھی مر جائے !
کوئی کتا بھنبھوڑ ڈالے !
کوئی من چلا گولی مار دے !

"ضرور ایسا ہی ہوگا۔" ساجد نے آخر میں کہا۔

ساجد اس وقت غصّہ میں بھرا ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں میں سُرخی تھی اور گال تمتما رہے تھے۔

گھر میں کئی دن تک سند باد کا سوگ منایا گیا۔ ساجد کے دوستوں نے آستینوں پر کالے بلّے لگائے۔ چوتھے دن ایک چھوٹے سے جلسہ میں سند باد کی اچانک اور بے وقت موت پر یہ قرارداد پاس کی گئی۔"

"نونہالوں کی 'بزم دوستی' کا یہ غیر معمولی اجلاس بلیوں کی نئی نسل کے نشان سند باد کی ناگہانی موت پر اپنے گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے خونخوار بن بلاؤ کی اس وحشیانہ حرکت کو نہایت نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ نونہال بزم دوستی کے امن پسند اراکین دل سے بلاؤ کی موت کے خواہاں ہیں۔"

ساجد کے لیے دوسرے بلّی کے بچّہ کی زور شور سے تلاش ہونے لگی، اس کے چچا کو بھی لکھا گیا:

"جلد ساجد کے لیے بلّی کے بچّے کا بندوبست فرمائیے۔"

جواب آیا، "بلّی کا بچہ نہیں ملتا۔ کتّے کا بھیج دیا جائے؟"

امّاں نے کہا، "ہمیں بچہ بلّی کا چاہیے۔ کتّے، بکری، بھیڑ اور گائے کا یہاں بھی مل سکتا ہے، بلکہ تلاش کریں تو گدھے کا بھی مل جائے گا، خیال تھا بلّی کا مل جائے تو ساجد کا دل بہل جائے۔"

بھائی جان کی رائے تھی کہ جب تک بن بلاؤ کو ٹھکانے نہ لگادیا جائے دوسرا بچّہ نہیں لانا چاہیے، ورنہ وہ اسے بھی اٹھالے جائے گا۔

اسی زمانہ میں ساجد کے چچا آگئے۔ وہ اپنی ایک السے شن کتیا اور اس کے دو بچّے بھی لائے۔ کتیا بڑی ڈراؤنی صورت کی تھی۔ کانوں تک منھ پھٹا ہوا تھا، بڑے بڑے دانت تھے اور آنکھیں بہت چمکدار تھیں۔ اس کا نام چنبیلی تھا۔

ساجد اسے دیکھ کر بہت خوش ہوا اور رات کو دودھ جلیبی کھلا کر اس نے چنبیلی کے گلے سے زنجیر نکال دی۔ ساجد دعا کرنے لگا کہ خدا کرے بلاؤ آج ضرور آجائے تو چنبیلی اس کا تکّا بوٹی ہی کرڈالے گی۔ رات کافی ہوگئی، مگر بلاؤ نہ آیا۔ خدا خدا کرکے گیارہ بجے جب گھر میں خراٹوں کی آوازیں گونج رہی تھیں اور ایسا لگ رہا تھا کہ بہت سی بلیاں غرّا رہی ہیں۔ بلاؤ اسی چھت پر بولا،

میاؤں! میاؤں!!

ساجد کی آنکھ اب تک نہ جھپکی

تھی۔ وہ بے چینی سے بلاؤ کا انتظار کر رہا تھا۔ ساجد نے چپکے سے کتیا کی کمر پر ہاتھ پھیر کر چھت کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے کان کھڑے کیے، مگر بھونکی نہیں۔ ایک منٹ، دو منٹ، تین منٹ اور پھر پانچ منٹ یوں ہی گزر گئے۔ نہ جانے بلاؤ نے کتیا کی بُو سونگھ لی تھی یا اور کوئی بات تھی کہ اس نے گھر میں اترنے کا نام ہی نہ لیا۔ آخر آٹھ منٹ گزرتے ہی وہ دبے پاؤں دیوار پر آیا، پھر دھم سے صحن میں کود پڑا۔ کتیا تاک لگائے بیٹھی تھی۔ وہ ایک دم بم کے گولے کی طرح بلاؤ پر جا پڑی اور جاتے ہی گردن بالکل اس طرح دبوچ لی جیسے بلّی مرغی کی یا شیرنی بکری کی بوچ لیا کرتی ہے۔

"وہ مارا!" ساجد چلا کر بستر سے نکل بھاگا اور امّاں جان کو جگا کر بولا، "آج بلاؤ کی قضا آ گئی! چنبیلی نے اسے پکڑ لیا۔"

چنبیلی نے دو تین پٹخنیاں دے کر بلاؤ کو مار ڈالا، پھر ذرا دیر جھنجھوڑتی رہی، اس کے بعد الگ جا کر کھڑی ہوئی بھائی جان نے قریب آ کر دیکھا۔ گردن پر دانتوں کے نشان تھے۔ امّاں جان غور سے دیکھنے لگیں تو چچا جان نے ترنم کے ساتھ شعر پڑھا:

نظر لگے نہ کہیں اس کے دست بازو کو
یہ لوگ کیوں مرے زخمِ جگر کو دیکھتے ہیں

بلاؤ کی موت پر سب خوش تھے۔ سند باد کے قاتل کو آج موت کی سزا مل چکی تھی۔ اماں جان نے کہا، "جیسی کرنی ویسی بھرنی۔"

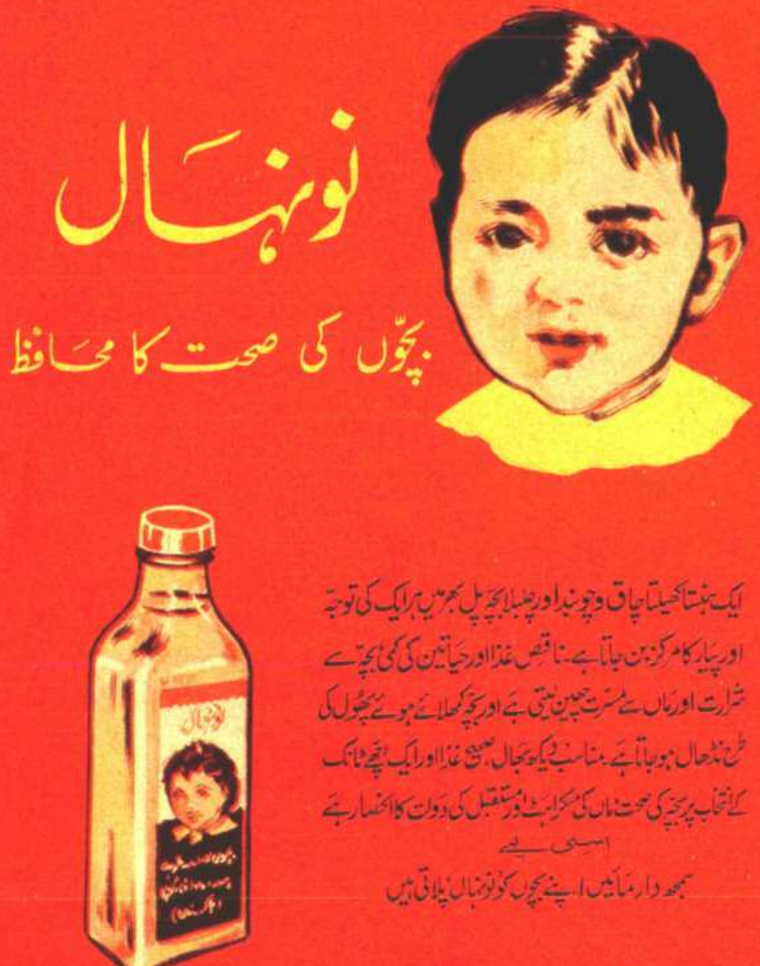
ساجد خوشی سے پھول کر بولا،

ظلم کی ٹہنی کبھی پھلتی نہیں
ناؤ کاغذ کی سدا چلتی نہیں

ایک بڑھیا: (ریلوے گارڈ سے) اے بابو، کہیں یہ گاڑی ٹکرا تو نہیں جائے گی؟

گارڈ: تمھیں اتنی فکر کیوں ہے، اس بات کی تو مجھے فکر ہونا چاہیے۔ اطمینان سے بیٹھی رہو۔

بڑھیا: بھیا، میرے سامان میں کچھ انڈے ہیں، کہیں وہ ٹوٹ نہ جائیں۔



نونہال
بچّوں کی صحت کا محافظ
ایک ہنستا کھیلتا چاق و چوبند اور چلبلا بچہ پل بھر میں ہر ایک کی توجہ
اور پیار کا مرکز بن جاتا ہے۔ ناقص غذا اور حیاتین کی کمی بچے سے
شرارت اور ماں سے مسرت چھین لیتی ہے اور بچہ کمھلائے ہوئے پھول کی
طرح نڈھال ہو جاتا ہے۔ مناسب دیکھ بھال، صحیح غذا اور ایک اچھے ٹانک
کے انتخاب پر بچے کی صحت، ماں کی مسکراہٹ اور مستقبل کی دولت کا انحصار ہے
اسی لیے
سمجھ دار مائیں اپنے بچوں کو نونہال پلاتی ہیں


حیاتین آمیز
سِنکارا
خاندان کے ہر فرد کیلئے ہر موسم میں یکساں مفید
Cinkara
ہمدرد

سحر انصاری

کچھ مَعدنیات کے بارے میں

سونے چاندی کے زیورات، تانبے کے برتن، لوہے کے اوزار — یہ ساری چیزیں تمھاری زندگی میں بہت عام ہیں۔ بعض اوقات تم سونے اور چاندی کی خوب صورتی کو پسند کرتے ہو اور بعض اوقات لوہے کی مضبوطی پر حیرت کرتے ہو۔ یہ اور اس قسم کی چیزیں دھات کہلاتی ہیں۔ یہ دھاتیں زمین کھود کر پتھر کے ٹکڑوں یا چٹانوں کی شکل میں حاصل کی جاتی ہیں۔ جس جگہ سے یہ چٹانوں کے ٹکڑے حاصل کیے جاتے ہیں، اسے کان یا مَعدن کہتے ہیں۔ معدن ہی سے معدنیات کی اصطلاح بنی ہے لیکن معدنیات میں صرف چٹانیں ہی شامل نہیں، کوئلہ، پٹرول اور قدرتی گیس بھی معدنیات میں شامل ہیں، البتہ کان سے بر آمد کرتے وقت پٹرول یا قدرتی گیس کی صورت دھات کی صورت شکل سے بالکل مختلف ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ بہت سارے قیمتی پتھر یا ہیرے، مثلاً کوہ نور وغیرہ بھی معدنوں ہی سے نکالے گئے ہیں۔

معدنیات کو جغرافیائی اعتبار سے تقسیم کیا گیا ہے، کیوں کہ دنیا بھر میں خاص قسم کے جغرافیائی حالات ہی میں خاص قسم کی معدنیات حاصل کی جاتی ہیں۔ ابتدا میں انسان نے بڑی دشواریوں سے گزر کر اور جان جوکھوں میں ڈال کر ان کا پتہ چلایا۔ تم نے سونے کی تلاش میں افریقہ اور آسٹریلیا کے جنگلوں میں جانے اور خطرات مول لے کر اپنا مقصد پورا کرنے والے مغربی سیاحوں کے قصے پڑھے ہوں گے۔ بعد میں حالات کا جائزہ لے کر یکساں جغرافیائی حالات

رکھنے والے علاقوں کو خاص قسم کی معدنیات کے علاقوں میں تقسیم کیا گیا۔

معدنیات کسی بھی ملک کی ترقی کے لیے سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہیں۔ کینیڈا، آسٹریلیا، جنوبی افریقہ اور مغربی امریکا کی ترقی کا سارا دار و مدار سونے اور دوسری دھاتوں کے حصول پر ہے۔

معدنوں سے حاصل کی جانے والی اہم دھاتوں میں المونیم، تانبا، سونا، لوہا، سیسہ، میگنیشیم، مینگنیز، پارہ، جست، چاندی، ٹین، یورانیم اور نکل شامل ہیں۔ بعض اوقات معدنیات بالکل خالص حالت میں بھی کان سے نکلتی ہیں، مثلاً سونا لیکن جیسا کہ کہا جا چکا ہے، عام طور پر دھاتوں کی شکل میں حاصل کی جاتی ہیں۔ اس کے بعد ان چٹانوں کو بھٹیوں میں پگھلا کر خاص قسم کے کیمیائی اور سائنسی عمل کے بعد خالص دھات حاصل کی جاتی ہے۔

دھاتوں یا کانوں کی تلاش کرنے والوں کے لیے ارضیات (زمین کے علم) سے پوری طرح واقف ہونا ضروری ہے۔ اب سے کوئی اسّی سال پہلے تک ارضیات میں ترقی نہیں ہوئی تھی اور آمد و رفت کے ذرائع بھی محدود تھے۔ پھر ایسے آلات بھی ایجاد نہیں ہوئے تھے، جن کی مدد سے خاص قسم کی چٹانوں کا پتہ چلایا جا سکے۔ اگلے زمانے میں دھاتوں کی تلاش کرنے والے پیدل، گھوڑے پر یا کشتیوں میں سفر کیا کرتے تھے، لیکن اب ارضیات نے اس کام کو بہت آسان بنا دیا ہے۔ تم نے "جیولوجیکل سروے آف پاکستان" کا نام سنا ہوگا۔ اس قسم کا ایک محکمہ ہر ملک میں موجود ہوتا ہے۔ یہ محکمہ علم الارض کے ماہروں کی نگرانی میں کام کرتا ہے۔ ہوائی جہاز میں بیٹھ کر ملک کے مختلف حصّوں کی تصویریں کھینچی جاتی ہیں اور ان تصویروں کو دیکھ کر ارضیات کا ماہر یہ بتا دیتا ہے کہ کس علاقے میں کون سی معدنیات مل سکتی ہیں۔

اس کے علاوہ بہت سارے سائنسی آلات ایجاد ہو چکے ہیں، جن کی مدد سے معدنیات کا کھوج لگایا جا سکتا

ہے، مثلاً ایسی دھاتیں، جو مقناطیس کی طرف کھنچتی ہیں، ایک آلے کے ذریعے معلوم کرلی جاتی ہیں، جسے مقناطیس پیما یا "میگنیٹومیٹر" کہتے ہیں۔ اِس طرح یورانیم ایک دھات ہے، جِس سے خاص قِسم کی شعاعیں خارج ہوتی ہیں اور جو دیوار اور ٹھوس چیزوں کے بھی پار ہوسکتی ہیں۔ اِن شعاعوں کو تابکار شعاعیں اور اس قسم کی دھات کو "تاب کار دھات" کہا جاتا ہے۔ چناں چہ یورانیم ایک اور آلے کی مدد سے، جسے "ریٹ میٹر" کہتے ہیں، معلوم ہوجاتی ہے۔

جب ارضیات کے ماہروں کو یقین ہوجاتا ہے کہ کِسی خاص علاقے میں خاص قِسم کی معدنیات پائی جاتی ہیں تو پھر زمین کی کھدائی کا کام شروع ہوتا ہے۔

بہت سارے ممالک میں مختلف قِسم کی دھاتیں اور معدنیات برآمد کی جاچکی ہیں۔ پاکستان میں بھی پٹرول کی تلاش جاری ہے۔ اس سے قبل سوئی کے مقام پر قدرتی گیس نکلی ہے، جو سوئی گیس کے نام سے مشہور ہے، لیکن اندازہ لگایا گیا ہے کہ دنیا کے بیشتر علاقوں میں ابھی تک ایسی معدنیات چھُپی ہوئی ہیں، جو اگر حاصِل کرلی جائیں تو ان علاقوں کی ترقی میں چار چاند لگ سکتے ہیں۔

حال ہی میں یہ بھی پتہ چلا ہے کہ سمندروں میں معدنیات کثیر مقدار میں پائی جاتی ہیں۔ چناں چہ ارضیات کے ماہروں کی طرح بحریات (سمندروں کے علم) کے ماہرِین بھی مختلف سمندروں میں معدنیات کا کھوج لگا رہے ہیں۔ توقع ہے کہ ان ماہرِین کی مشترکہ کوششوں سے خاطر خواہ نتیجے نِکلیں گے اور معدنیات کی خاصی مقدار حاصِل کی جاسکے گی۔

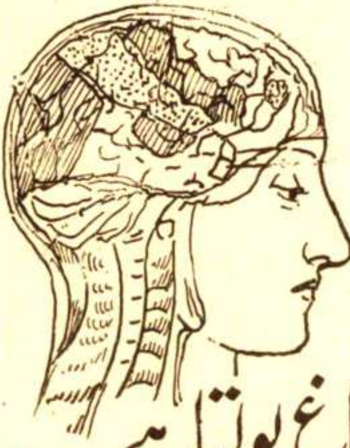
مجید: آج تم نے اچھی تقریر کی۔

حمید: مگر سننے والے تو بالکل بدھو تھے۔

مجید: جب ہی تم بار بار میرے بھائیو! میرے بھائیو! کہہ رہے تھے۔

عبدالصمد۔ کراچی

★



دماغ بولتا ہے

کوثر چاندپوری

میرا نام دماغ ہے، انگریزی جاننے والے مجھے "برین" کہتے ہیں۔ میں ایک عضوِ رئیس مانا گیا ہوں۔ دنیا سے رئیسوں کا نام قریب قریب مِٹ گیا، مگر میری ریاست قائم ہے، اسے کوئی نہیں چھین سکتا۔ نواب لوگ کسی زمانے میں اپنے رہنے کو قلعہ بنایا کرتے تھے، قدرت نے میرے رہنے کو کھوپڑی کی مضبوط ہڈیوں کو جوڑ کر ایسا مضبوط گھر بنا دیا ہے، جہاں میں بڑے اطمینان سے رہتا ہوں، میں نرم، پولا اور رنگ کے اعتبار سے سفید ہوں، میرا وزن اس وقت جب میں کسی جوان اور تن درست مرد کی کھوپڑی میں ہوتا ہوں تو ڈیڑھ سیر کے قریب ہوتا ہے۔ عورت کے لیے میں اپنا وزن گھٹا کر سوا سیر کر لیتا ہوں، کبھی میرا وزن دو سیر ہو جاتا ہے۔ بے وقوفوں اور پیدائشی پاگلوں سے مجھے بڑی گھن آتی ہے، ان کے سر میں آ کر میں تین پاؤ ہی رہ جاتا ہوں۔ میں نے اپنے آپ کو رئیس کہہ کر شیخی نہیں بگھاری، بالکل سچی بات کہی ہے۔ آپ کی ساری قابلیت اور ذہانت میری ہی عنایت پر موقوف ہے۔ آپ کوئی بڑے سائنس داں یا ادیب، شاعر اور وکیل ہیں تو یہ سب میری ہی مہربانی کا نتیجہ ہے، اسی طرح آپ کوئی بڑے جج، سیاست داں، ہوا باز یا فوجی سردار ہیں تو بھی میرا ہی شکریہ ادا کیجیے۔ یہ عزت میں نے ہی آپ کو دی ہے، آپ اسٹیج

پر آکر اپنی دھواں دھار تقریر سے سننے والوں پر جادو کر دیتے ہیں یا اپنی یادداشت اور سوچنے سمجھنے کی طاقت سے بہت بڑے آدمی بن گئے ہیں تو اس میں آپ کا کوئی کمال نہیں، یہ سب اسی خاکسار کا کرشمہ ہے۔ میں جسے چاہوں بڑا کر دوں، جس کو چاہوں بے وقوف اور پاگل بنا دوں۔

مجھے قدرت نے تین جھلیوں میں لپیٹ رکھا ہے۔ میری پہلی جھلّی، جسے آپ اپنی زبان میں عمدہ قسم کی شال بھی کہہ سکتے ہیں ''غشائے صلب'' جس کو انگریزی میں ڈیورا میٹر۔ (DURA MATER) کہتے ہیں، غشاء کے معنی جھلّی کے ہیں اور ''صلب'' عربی میں سخت کو کہتے ہیں۔ میری یہ جھلّی بڑی مضبوط اور موٹی ہوتی ہے اور کھوپڑی کی اندر والی سطح سے چمٹی رہتی ہے۔ اس سے تین چنٹیں نکل کر میرے (دماغ کے) حصوں کو الگ الگ کر دیتی ہیں، جیسے ملک میں حدیں بنا کر چند اضلاع (Districts) بنا دیے جاتے ہیں، جن کا نظام بالکل یکساں ہوتا ہے۔ اسی طرح میرے مختلف حصّوں میں پورا رابطہ قائم رہتا ہے۔ اب سنیے اس کی تقسیم کا حال۔ ایک چنٹ کھوپڑی کے بالکل بیچ سے نیچے کی طرف اتر کر میرے اگلے حصّے (مقدم دماغ)، دونوں بڑے پہلوی لوتھڑوں کے درمیان ایک پردے کی طرح تن جاتی ہے۔ دوسری چنٹ گدی کے مقام سے آڑے طور پر آگے بڑھتی اور میرے اگلے اور پچھلے حصوں (مقدم دماغ و موخر دماغ) کے درمیان تن جاتی ہے۔ تیسری چنٹ کھڑے طور پر گدی کے مقام سے آگے بڑھتی اور میرے پچھلے حصّے (موخر دماغ) کے دونوں جانبی لوتھڑوں کے بیچ میں حائل ہو جاتی ہے یوں سمجھ لیجیے کہ جس طرح آپ اپنے کسی خوب صورت کمرے میں عمدہ رنگین پردے لگا کر اس کے کئی حصّے کر دیتے ہیں، اسی طرح اس جھلّی نے مجھے چند حصوں میں بانٹ دیا ہے۔ میری دوسری جھلّی کا نام ام رقیق ہے، اس کو انگریزی میں پایا میٹر (Pia mater) کہتے ہیں یہ جھلّی بہت پتلی، باریک اور نرم ہوتی ہے، اسی وجہ سے اس کو ام رقیق کہا جاتا ہے۔ یہ میرے جوہر کے باہر والی سطح اور اس کے گڑھوں (نشیبوں) پر استر چڑھاتی ہے یہی میرے اندر ایک شگاف (دراڑ) کے ذریعے سے پہنچ کر میرے خانوں (بطون) میں استر لگاتی ہے۔ میری تیسری جھلّی کا نام ہے غشائے عنکبوتی، اسے انگریزی میں (ARACHNOID MEMBRANE) کہتے ہیں۔ یہ بالکل مکڑی کے جالے کی طرح ہوتی ہے۔ بہت ہی نرم، باریک اور سفید، عربی میں عنکبوت مکڑی کو کہتے ہیں یہ اوپر والی دونوں جھلّیوں

کے بیچ میں رہتی ہے اس کے دو پرت ہوتے ہیں۔ اوپر کا بیرونی پرت سخت جھلی کی اندرونی سطح سے کسی جگہ چمٹا ہوا اور کسی جگہ الگ رہتا ہے۔ جن مقامات پر الگ رہتا ہے، وہاں دونوں جھلیوں کے بیچ میں فضائیں بن جاتی ہیں ان کو بطون کا ذبہ یعنی مصنوعی یا جھوٹے خانے کہتے ہیں آپ نئی زبان میں SPace کہہ لیجیے۔ اس کا نچلا پرت کسی جگہ ام رقیق سے چمٹا ہوا اور کسی جگہ اس سے الگ رہتا ہے۔ اس سے بھی فضائیں بنتی ہیں جن میں صاف ستھرا نمکین پانی بھرا رہتا ہے۔ یہ پانی مجھے باہر کے صدموں سے بچاتا ہے۔

میرے تین حصے ہوتے ہیں (۱) اگلا حصہ (مقدم دماغ)، (۲) پچھلا حصہ (موخر دماغ)۔ (۳) بیچ کا حصہ (اوسط دماغ)۔

اگلا حصہ (مقدم دماغ) میرے سب حصوں سے بڑا ہے، اسی لیے اس کو "بڑا دماغ" کہتے ہیں۔ یہ کھوپڑی کے سامنے والے درمیانی اور پچھلے گڑھوں (جوفوں) میں رہتا ہے۔ میرا یہ حصہ بہت اہم ہے۔ سارے حواس اور عقل و ذہانت کی طاقتوں کے مراکز (centres) اسی میں واقع ہیں۔ میرے اگلے حصے کی اوپری سطح پر چھوٹے چھوٹے ابھار ہوتے ہیں۔ ایک ابھار سے دوسرے ابھار تک چھوٹی چھوٹی پیچیدہ سی نالیاں ہوتی ہیں۔ ان ابھاروں کی کمی بیشی سے آدمی کی عقل اور ذہانت کا پتہ چلتا ہے۔ جن لوگوں میں ان ابھاروں کی تعداد زیادہ اور نمایاں ہوتی ہے، وہ بہت عقل مند ہوتے ہیں اور دنیا میں بڑے بڑے کام کرتے ہیں، عمدہ ایجادیں کرتے ہیں، پیدائشی بے وقوفوں میں یہ ابھار بالکل نہیں ہوتے اور میرا یہ حصہ قطعی سپاٹ ہوتا ہے۔ میرا یہ حصہ دو شگافوں (دراڑوں) کے ذریعے سے دو جانبی لوتھڑوں میں بٹا ہوا ہے۔ ان میں سے ہر لوتھڑے کو نصف کرۂ دماغ کہتے ہیں۔ میرے اس حصے کی نچلی سطح تین حصوں میں بٹی ہوئی ہے۔ اگلا حصہ چشم خانے کے اوپر اور بیچ کا حصہ کنپٹیوں کے اندر کی طرف رہتا ہے۔ پچھلا حصہ گدی کے مقام پر میرے پچھلے حصے (موخر دماغ) کے اوپر ہوتا ہے۔ اس حصے کی نچلی سطح کے خاص خاص مقامات یہ ہیں (۱) لمبا شگاف یہ میرے اگلے حصے کو دو پہلوی لوتھڑوں میں تقسیم کرتا ہے۔ (۲) زائدۂ حلمیہ، یہ عورتوں کی چھاتی کی بھٹنی کے مانند دو ابھار ہیں، جو اس اگلے حصے کے اگلے لوتھڑوں کی نچلی سطح پر لمبے شگاف کے دونوں جانب ہوتے ہیں۔ اصل میں یہ

ابھار سونگھنے کے پٹھے (عصبۂ شامہ) کے آخری سرے ہیں۔ ان ابھاروں میں سے باریک باریک ریشے نکل کر ناک میں چلے جاتے ہیں اور سونگھی ہوئی چیزوں کو محسوس کرکے دماغ تک پہنچاتے ہیں۔ (۳) تقاطع صلیبی یعنی (Optic chiasma commissure) یہ جگہ وہ ہے جہاں دونوں طرف کے عصبۂ جوفہ (عصب بصارت، بینائی کا پٹھا) ایک دوسرے کو صلیب کی شکل میں کاٹتا ہے۔ اس کو "مجمع النور" بھی کہتے ہیں۔ (۴) غدۂ نخامیہ یعنی پیچوایٹری گلینڈ (Pituitary gland) یہ ایک چھوٹی سی گلٹی ہے اس کو زندگی کے لیے نہایت ضروری سمجھا جاتا ہے اسے کاٹ کر نکال دیا جائے تو آدمی چند روز کے اندر ہی مر جاتا ہے جب اس میں کوئی خرابی آجاتی ہے تو جسم کی نشو و نما، (بڑھونتری) میں فرق آجاتا ہے۔ یہ غیر طبعی طور پر بڑھ جاتی ہے تو آدمی کا بدن بھدّا اور بے ڈھنگا ہو جاتا ہے۔ میرے پچھلے حصّے (موخر دماغ) کو چھوٹا دماغ کہتے ہیں۔ یہ گدّی کی ہڈی کے دونوں گڑھوں میں رہتا ہے۔ جوانی میں اس کا وزن تین چھٹانک کے قریب ہوتا ہے اس میں میرے اگلے حصّے کی طرح اُبھار نہیں ہوتے، ہاں آڑی ٹیڑھی لکیریں ہوتی ہیں۔ یہ بھی ایک شگاف کے ذریعے دو پہلوی لوتھڑوں میں تقسیم ہو جاتا ہے اس کی اوپر کی سطح پر ایک ابھار ہوتا ہے جو دونوں لوتھڑوں کو باہم ملاتا ہے۔ اس کی نچلی سطح مبدا، النخاع سے ملی رہتی ہے۔

میرے درمیانی حصّے کا نام اوسط دماغ ہے یہ میرے پیندے کی ہڈی اور گدی کی ہڈی کے ایک حصے سے لگا رہتا ہے یہ آڑے طور پر مبدا النخاع کے اوپر میرے اگلے حصے (مقدم دماغ) کے نیچے اور میرے پچھلے حصے (موخر دماغ) کے دونوں لوتھڑوں کے بیچ میں ہوتا ہے، گویا یہ مبدا، النخاع، میرے اگلے اور پچھلے حصّوں کو آپس میں ملاتا ہے۔ میرے سپرد بڑے بڑے اہم کام ہیں، یوں سمجھ لیجیے کہ میں آپ کے جسم کا بادشاہ یعنی King of The body ہوں، اور سارے بدن پر میری ہی حکومت ہے۔ پرانے اطبا۔ کے خیال میں پانچوں اندرونی حواس (حسؔ۱ مشترک، قوت۲ خیال۔ قوت۳ واہمہ، قوت۴ تخیلہ، قوت۵ حافظہ) میں سے حس مشترک اور قوت خیال میرے اگلے حصے (مقدم دماغ) میں رہتی ہے۔ قوت واہمہ اور قوت تخیلہ کا گھر میرے درمیانی حصے (اوسط دماغ) میں ہے اور قوت حافظہ میرے پچھلے حصّے (موخر دماغ) میں رہتی ہے،

لیکن نئی تحقیقات نے واضح کر دیا ہے کہ یہ ساری قوتیں میرے اگلے حصے (مقدم دماغ) ہی میں رہتی ہیں قوت ارادی اور عقل و فہم کی جگہ بھی اسی حصے میں ہے یہی حصہ تمام محسوسات کا مرکز ہے ۔ یہ بات آپ کو ضرور یاد رکھنی چاہیے کہ تمام عمدہ اور اعلا قسم کے دماغی مراکز میرے اوپر کے حصے میں ہیں یہ حصہ خاکی مادے کا بنا ہوا ہے ۔ پرانی تحقیقات کے مطابق میرے پچھلے حصے (موخر دماغ) میں قوت حافظہ یعنی یاد رکھنے کی طاقت رہا کرتی تھی مگر نئی تحقیقات بتا رہی ہے کہ پچھلے حصے میں قوت حافظہ نہیں رہتی نہ عقل اور فہم کا اس سے کوئی تعلق ہے، بلکہ یہ میرے اور نخاع کے کاموں میں صرف مدد کرتا ہے ۔ اس کا سب سے بڑا کام یہ ہے کہ عضلات (مچھلیوں) کی حرکات کو باقاعدہ رکھے اور جسم کا توازن (بیلنس Balance) قائم رکھنے میں مدد دے ۔ اس حصے کو کاٹ کر نکال دیا جائے تو مچھلیوں کی حرکتیں بے قاعدہ ہو جاتی ہیں اور آدمی چلنے میں شرابیوں کی طرح لڑکھڑانے لگتا ہے ۔

سب سے بڑا اور چھوٹا اخبار

"درایچین" کے اخباری عجائب گھر (جرمنی) میں جرمن زبان کے بہت پرانے اخبارات محفوظ ہیں ۔ ان میں ایک لاکھ ایسے نسخے بھی، جنھیں دنیا کا چپہ چپہ چھان کر حاصل کیا گیا تھا ۔ سائز کے اعتبار سے دنیا کا سب سے بڑا اور سب سے چھوٹا اخبار بھی یہاں موجود ہے ۔ نیویارک میں ایک صدی پہلے ایک اخبار THE ConsTe- llation نے ۴ جولائی ۱۸۵۸ء کو یوم آزادی کا خاص شمارہ شائع کیا تھا جو ایک گز چوڑا اور سوا گز سے زیادہ لمبا تھا ۔ یہ دنیا کا سب سے بڑا اخبار مانا جاتا تھا ۔

دنیا کا سب سے چھوٹا اخبار جو اسپین سے شائع ہوا تھا، جس کا نام EL-TELE- GRAM ہے ۔ یہ اخبار ساڑھے چار انچ لمبا اور ساڑھے تین انچ چوڑا ہے ۔ یہاں دنیا کا قدیم ترین اخبار بھی ہے، جو پیکنگ سے شائع ہوا تھا ۔ اس کا نام Sinnio تھا ۔ وہ اخبار ریشمی کپڑے پر لکھا جاتا تھا ۔

کچھ کہو، کچھ سنو

محمد فضل الحق ـــــ ڈھاکہ
س: دنیا کی سب سے بڑی لائبریری کہاں ہے؟
ج: دنیا کی سب سے بڑی لائبریری ماسکو (روس) میں لینن لائبریری کے نام سے ہے۔

شیخ محمد سلیم ـــــ کراچی
س: دنیا کا سب سے بڑا جزیرہ کون سا ہے؟
ج: گرین لینڈ۔

محمد ایوب ـــــ ہاتھیان
س: پاکستان کا سب سے زیادہ چھپنے والا اخبار کون سا ہے؟
ج: روزنامہ "جنگ" پاکستان کا سب سے زیادہ چھپنے والا اخبار ہے۔

سید ایوب علی نقوی۔ کراچی
س: اقوام متحدہ کے ممبر ممالک کی تعداد کتنی ہے؟
ج: ایک سو سترہ۔ ۱۱۷

سید عبدالحی مدنی۔ حیدرآباد
س: اس دنیا میں اخوت و محبت کا وجود ہے کیا؟
ج: ہاں اخوت و محبت کا وجود ہے۔ ہمارے تمھارے درمیان اور کون سا رشتہ ہے۔

ہلال عباسی۔ سیالکوٹ
س: دنیا کا سب سے بڑا عجائب گھر کس ملک میں ہے؟
ج: دنیا کا سب سے بڑا عجائب گھر برطانیہ میں برٹش میوزیم کے نام سے ہے۔

فرقان محمد خان۔ حیدرآباد
س: آب دوز کشتی کب اور کس نے ایجاد کی؟
ج: ہالینڈ نے ۱۸۹۱ء میں ایجاد کی۔

خالد پرویز ـــــ کراچی
س: ہمارے دوست کون کون ہیں؟ امریکا، چین روس، ایران، ترکی، انڈونیشیا، سعودی عرب۔

ج: تم نے سب دوستوں ہی کے نام گنائے ہیں۔ پاکستان تو کسی کا بھی دشمن نہیں ہے۔

انجم شمیم پروانہ — کراچی

س: تنہائی کا ساتھی؟

ج: تنہائی کی بہترین ساتھی، کتاب تھی، کتاب ہے اور کتاب رہے گی۔

سکندر حیات بنگش۔ پشاور

س: حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رح کا مقبرہ کہاں ہے؟

ج: آپ کا مقبرہ بغداد (عراق) میں ہے۔

مختار احمد — کراچی

س: دل کس وجہ سے سیاہ ہوجاتا ہے؟

ج: دوستوں کو دھوکہ دینے، کمزوروں پر ظلم کرنے اور فساد پھیلانے سے دل سیاہ ہوجاتا ہے۔

سلیم شمس الدین - کراچی

س: دنیا کا سب سے طاقت ور ملک کون سا ہے؟

ج: پاکستان، جس کے جوانوں کا دل فولاد کی طرح ہے؟

طاہرہ حمید — کوئٹہ

س: ہنگری کے دارالخلافے کا نام تو بتائیے؟

ج: ہنگری کے دارالخلافے کا نام بوڈاپسٹ ہے۔

محمد رمضان الوری۔ کراچی

س: ہمدرد نونہال کا نام کس نے رکھا؟

ج: حکیم محمد سعید دہلوی نے

روبینہ یاسمین - ڈھاکہ

س: فارسی کے کون کون سے بڑے شعرا گزرے ہیں؟

ج: فردوسی، رومی، سعدی، حافظ عرفی۔

عادل صدیقی - خیرپور

س: بھیا گوریلا جنگ کسے کہتے ہیں؟

ج: ایسی جنگ جس میں چھپ چھپ کر دشمن پر حملے کرکے اسے تنگ کیا جائے۔

قاضی سید راغب حسن۔ کراچی

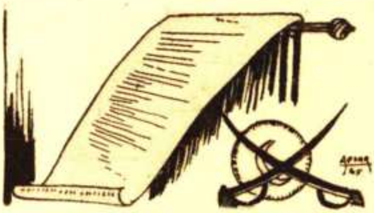
س: رنگون کس ملک کا دارالخلافہ ہے اور اس کی آبادی کتنی ہے؟

ج: رنگون، برما کا دارالخلافہ ہے۔ اس کی آبادی تقریباً ۵ لاکھ ہے۔

نونہال ادیب

اے پاک وطن کے نونہالو

سید نسیم احمد شاہ
کراچی



عزت ہے وطن کی صرف تم سے
عظمت ہے وطن کی صرف تم سے
اے قوم کے ملک کے جیالو
اے پاک وطن کے نونہالو
تم علم کی روشنی کو پھیلاؤ
کیا چیز ہے علم سب کو سمجھاؤ
تم جہل کو ملک سے نکالو
اے پاک وطن کے نونہالو!
کرتے رہو تم وطن کی خدمت
خدمت سے بڑھے گی اور عظمت
بے راہ جو ہوں انھیں سنبھالو
اے پاک وطن کے نونہالو

اچھی باتیں

منیر باجی



بچو! یہ تو تم سب جانتے ہو گے کہ ہمارے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لیے کتنی تکلیفیں اٹھائیں اور اپنے آپ کس قدر تکلیف اٹھائی۔

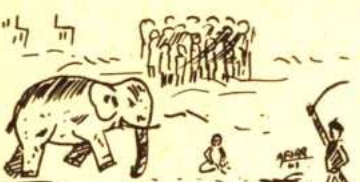
بچو! سوچو جس نیک بندے کو اللہ تعالیٰ اتنا عزیز رکھتا تھا، وہ کس قدر ٹھاٹ کر سکتا تھا، مگر اس نے تو کسی رعایت سے خود کو کبھی کوئی فائدہ نہیں پہنچنے دیا، بلکہ ہمیشہ دوسروں کو فائدہ پہنچایا۔

اتنا باعزت، اتنا بہادر، اتنا رحم دل، اتنا مخلص خدا کے حکم کی پیروی کرنے والا، ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

مانا کہ تم سب ابھی بچے ہو، مگر پھر بھی اگر تم خود غور کرو، بُری باتوں سے توبہ کرو، خوب اچھی اچھی باتیں کیا کرو، اپنی امی کا کہنا مانا کرو۔ صبح سے شام تک بجائے کھیل ہی کھیل کے اس میں وقت مقرر کرو اور پہلے یابعد ناشتے کے سپارہ پڑھا کرو، ممکن ہو سکے تو معنی بھی سمجھ کر پڑھا کرو، اپنے کپڑے صاف ستھرے رکھا کرو، دھوپ میں مت پھرا کرو نماز پڑھا کرو، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اتنی بڑی دنیا بنائی اور ایسی اچھی اچھی چیزیں بخشیں اس کا شکر ادا کرنا چاہیے اور وہ ایسے ادا کیا جاتا ہے کہ پانچ وقت نماز پڑھے۔ تم غور کرو ہر چیز بدلے سے حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اتنی نعمتوں سے انسان کو سرفراز کیا ہے۔ اس کے بدلے میں اس کا شکریہ ادا کرنا لازمی ہے۔ نماز پڑھنے سے اللہ تعالیٰ ہر وقت یاد رہتا ہے۔ جب کھانا کھاؤ تو اللہ تعالیٰ کو یاد کرو۔ جب کپڑے پہنو تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ ہر چیز اللہ تعالیٰ سے مانگو۔ اس کے حکم پورے کرو۔ اللہ تعالیٰ بڑا کارساز ہے اور وہ مانگنے سے بہت خوش ہوتا ہے۔ وہ تو دینے کو ہر وقت تیار رہتا ہے، مگر لوگ گمراہ ہو جاتے ہیں۔ بجائے اللہ تعالیٰ سے مانگنے کے آدمیوں سے مانگتے ہیں۔ اس کے آگے ہاتھ پھیلاؤ، اللہ تعالیٰ سے سوال کرو وہی تم کو ترقی عطا کرے گا۔ ہر برے کام سے بچائے گا۔ خدا سے دعا مانگو اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے کہو، یا اللہ تو اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں ہماری دعا قبول فرما، ہم سب کو کامیابی عطا فرما، نیک کاموں کی توفیق عطا فرما، ہر برائی سے بچا تو اللہ پاک ہمیں ضرور نیک کام کی ہدایت فرمائے گا۔

ایک بہادر باشاہ

مقصود احمد
جنگ شاہی



بچو! آج ہم تم کو ایک بہادر بادشاہ کا قصہ سناتے ہیں۔ یہ دیو پریوں کا قصہ نہیں ہے۔

یہ ایک سچا قصہ ہے۔ تم بابر کو تو

جانتے ہوں گے وہ ایک بہادر، دین دار اور مغل سلطنت کا پہلا بادشاہ تھا۔ اس کی شہرت دُور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ بابر کے زمانے میں اس کی رعایا میں بہت امن چین تھا۔ بابر کی بہادری کے تو بہت سے قِصّے ہیں، مگر اُن میں جو قصّہ میں سناتا ہوں، شاید ہی کسی نے سنا ہوگا۔ قصّہ یوں شروع ہوتا ہے۔

ایک دن بابر نے سوچا کہ میں ایک بڑا بادشاہ ہوں۔ میری رعایا مجھ سے کھل کر بات نہیں کرتی، کیوں کہ وہ ڈرتے ہیں کہ میں بادشاہ ہوں۔ یہ سوچ کر بابر نے ایک دن اپنا بھیس بدلا اور بازار کی طرف چلا۔

وہ بازار میں لوگوں سے باتیں کر رہی رہا تھا کہ ایک طرف سے لوگوں کا ہجوم بھاگتا ہوا نظر آیا۔ بابر نے اپنے قریب ہی کھڑے ہوئے سپاہی سے پوچھا، "کیا بات ہے، یہ ہجوم کیسا ہے؟"

سپاہی نے کہا، "ایک پاگل ہاتھی سڑک پر بھاگا ہوا آ رہا ہے۔"

ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ ہاتھی ایک طرف سے نمودار ہوا۔ اِسی افراتفری میں ایک عورت کے ہاتھ سے بچّہ گر پڑا۔ عورت بری طرح رونے لگی۔ سپاہی نے لپک کر بچّے کو اٹھانا چاہا، مگر پھر پلٹ گیا۔ بابر نے کہا کیا بات ہے تم بچّے کو کیوں نہیں اٹھا رہے ہو؟ سپاہی بولا، "یہ بھنگی کا لڑکا ہے، میں اس کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔"

بابر نے کہا، "تلوار مجھے دو۔"

اتنے میں ہاتھی بچّے کے بالکل قریب آ چکا تھا۔ بابر بچّے کے سامنے کھڑے ہوکر ہاتھی سے مقابلے کے لیے تیار ہوگیا۔ ہاتھی جب بابر کے بالکل قریب آگیا تو بابر نے ایک تلوار کا زوردار وار کیا۔ ہاتھی کی سونڈ کٹ گئی۔ ہاتھی تکلیف سے چنگھاڑتا ہوا پلٹ گیا۔

تلوار کا وار کرتے ہوئے بابر کی پگڑی گر پڑی۔

لوگوں نے بادشاہ کو پہچان لیا وہ سب کہنے لگے کہ ایک بادشاہ نے ایک بھنگی کے بچّے کے لیے اپنی پیاری جان کی بازی لگا دی۔

اتنے میں وہی سپاہی جس نے بچّے کو ہاتھ نہیں لگایا تھا، بابر کے قدموں میں جا گرا اور کہا، "مجھے معاف کر دو۔"

بابر نے کہا، "بھائی میں تم سے

ناراض نہیں ہوں، جو تم مجھ سے معافی مانگتے ہو۔"

سپاہی بولا، "نہیں جناب یہ بات نہیں، میں آپ کا بہت بڑا دشمن تھا۔" اس نے ایک خنجر نکالا اور کہا، "میں نے یہ آپ کے قتل کے لیے رکھا تھا اور اب آپ مجھ کو اس سے مار سکتے ہیں۔"

بابر نے سپاہی کو گلے سے لگالیا اور کہا، "میں نے تمھیں معاف کیا۔"

پھر بابر نے اس کو اپنی فوج کا سپہ سالار بنا دیا۔

لالچی سوداگر

محمد اختر متین
کوٹ سماپہ



کسی شہر میں ایک سوداگر رہا کرتا تھا۔ جو بے حد چالاک، دغاباز اور لالچی تھا۔ وہ ہر روز نت نئی ترکیبیں سوچتا رہتا کہ کس طرح دوسروں کا مال بھی اپنے قبضے میں کر لیا جائے۔

ایک دن وہ سوداگر اپنے گھر بیٹھا ہوا تھا۔ سوچتے سوچتے اس کے دماغ میں ایک ترکیب آئی۔ سوداگر فوراً بازار سے ایک توتا خرید لایا اور اسے پیار و محبت سے پالنے لگا۔ سوداگر روزانہ صبح سویرے اٹھتے ہی توتے کو یہ سبق سکھلاتا:

"اس میں کیا شک ہے"

سوداگر کی متواتر کوشش سے آخر توتے نے اس سبق کو اچھی طرح رٹ لیا۔

کبھی کبھی جب سوداگر توتے کو بلواتا تو توتا جھٹ بول اٹھتا، "اس میں کیا شک ہے۔"

اب تو سوداگر ہر سفر میں توتے کو ساتھ رکھتا اور اپنے ہم سفروں سے ہمیشہ توتے کی تعریف کرتا رہتا۔

ایک روز ایک سیدھے سادے امیر آدمی کا واسطہ اس لالچی سوداگر سے پڑ گیا۔ سوداگر نے خوب بڑھا چڑھا کر توتے کی تعریف کی۔ امیر آدمی نے جب توتے کی اتنی تعریف سنی تو بولا، "جناب! آپ نے توتے کی تعریف تو بہت کی ہے، مگر کیا آپ اس کی قیمت بتانا گوارا کریں گے؟"

سوداگر تو ایسے موقع کی تاک میں تھا۔

جھٹ بول اٹھا، " بھئی کیا بتاؤں یہی کوئی دوہزار رُپے ہے۔ امیر آدمی نے جب اتنی قیمت سنی تو اس میں کم و بیشی کا اظہار کیا، مگر لالچی سوداگر نہ مانا اور کہا آپ ہی اس توتے سے اس کی قیمت کے بارے میں پوچھ لیں۔

امیر آدمی نے توتے کے قریب جاکر پوچھا، " اے مٹھو، کیا تیری قیمت دوہزار رُپے ٹھیک ہے؟"

توتے نے اپنا رٹا ہوا سبق دہرایا " اس میں کیا شک ہے۔"

غرض یہ کہ امیر آدمی ــ دوہزار رُپے دے کر توتے کو گھرلے آیا اور دوستوں کے سامنے توتے کی بہت تعریف کی۔ باتوں باتوں میں جب انھوں نے توتے کی اتنی قیمت سنی تو حیران رہ گئے اور بولے۔ ارے تونے یہ کیا غضب کردیا، اس توتے کے بدلے تونے دوہزار رُپے برباد کردیے ہیں۔ امیر آدمی نے جواب دیا خود اس توتے ہی نے تو اپنی یہ قیمت بتائی تھی۔

دوستوں نے کہا، تو ہم اس توتے ہی سے پوچھ لیتے ہیں۔ اے میاں مٹھو! کیا تیری قیمت دوہزار رُپے زیادہ نہیں ہے؟

توتے نے جواب دیا، " اس میں کیا شک ہے۔"

اب تو امیر آدمی بہت سٹ پٹایا، مگر لالچی سوداگر تو اس سے بہت دُور تھا۔

ایک رُپیہ

نیلم کمار
کراچی



اباجان نے مجھے دس رُپے کا نوٹ دیتے ہوئے کہا، " بیٹا زاہد حسین، جاکر ایک گولڈ فلیک (سگریٹ) کا پاکٹ لے آؤ۔" میں پیسے لے کر قریبی ہوٹل میں گیا اور دس کا نوٹ دیتے ہوئے کہا،

" ایک گولڈ فلیک کا پاکٹ دو۔"

ہوٹل والے نے دس رُپے لے کر پاکٹ اور چند رُپے واپس دیے۔ میں گنے بغیر باہر آگیا۔ باہر آکر خیال آیا کہ پیسے گن کر دیکھ لوں کہیں کم نہ ہوں۔ چناں چہ میں نے پیسے گننے شروع کردیے گننے کے بعد معلوم ہوا کہ ہوٹل والے نے

غلطی سے ایک رُپیہ زیادہ دے دیا ہے۔

دل میں خیال آیا کہ ہوٹل والے کو ایک رُپیہ واپس کردوں، مگر شیطان مجھے بہکانے لگا اور میرے دل میں طرح طرح کے خیال پیدا کرنے لگا کہ تم اس ایک رُپے سے ایک فلم دیکھ سکتے ہو یا ایک رسالہ "ہمدرد نونہال" کا تازہ شمارا خرید سکتے ہو جس کو خریدنے کے لیے تمھارے پاس ابھی تک پیسے نہ بن سکے، مگر میرے دل نے شیطان کا کہنا نہ مانا اور ساتھ ہی ابّاجان کی نصیحت بھی یاد آگئی، جو انھوں نے چند دن پہلے مجھ سے کہی تھی کہ "بیٹا! ہمیشہ ایمان دار بننا، کیوں کہ ایمان دار آدمی ہی دنیا میں آکر اپنا نام پیدا کرتا ہے۔"

یہ نصیحت یاد آتے ہی بھاگتا ہوا ہوٹل میں گیا اور ایک رُپیہ ہوٹل والے کو دیتے ہوئے کہا،

"آپ نے ایک رُپیہ زیادہ دے دیا ہے۔"

اس نے ایک رُپیہ لیتے ہوئے کہا،

"شاباش بڑے ایمان دار بچّے ہو۔"

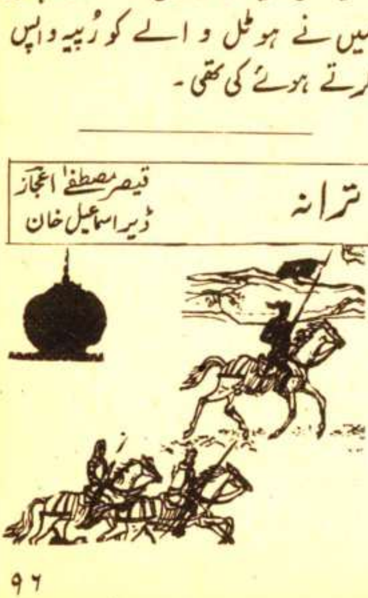
پھر گھر جاکر میں نے ابّاجان کو وہ سگریٹ کا پاکٹ اور پیسے دیے۔ پاکٹ اور پیسے لیتے ہوئے ابّاجان نے مجھے خوش خبری سناتے ہوئے کہا،

"بیٹے یہ لو تمھاری رزلٹ بک تم فرسٹ ڈویژن پاس ہوئے ہو۔"

یہ سن کر میری باچھیں کھل گئیں، مجھے اتنی خوشی ہوئی کہ جیسے مجھے قارون کا خزانہ مل گیا ہو۔ حقیقت تو یہ ہے کہ میں نے آج تک جتنے بھی امتحان دیے تھے سب میں بڑی مشکل سے پاس مارک حاصل کرسکتا تھا، مگر اس مرتبہ فرسٹ ڈویژن کا نام سن کر میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ یہ اسی ایمان داری کا صلہ ہے، جو میں نے ہوٹل والے کو رُپیہ واپس کرتے ہوئے کی تھی۔

ترانہ

قیصر مصطفےٰ اعجاز
ڈیرہ اسماعیل خان



زندہ رہے گا وطن ہمارا
پائندہ رہے گا وطن ہمارا

کریں گے اپنی جاں قرباں
تابندہ رہے گا پاکستاں
اونچا رہے گا اس کا نشاں
شاداب رہے گا چمن ہمارا
زندہ رہے گا وطن ہمارا

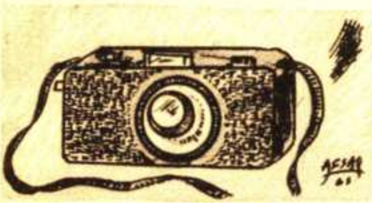
بچّے بوڑھے سب ہیں شاد
گھر میں ہمارے سب آباد
فرض ہوگا جب ہم پہ جہاد
پھر سر پہ ہوگا کفن ہمارا
زندہ رہے گا وطن ہمارا

یہ مسجدیں، مینار ہمارے
مسلمان ہیں بیدار ہمارے
کرتے ہیں اقرار یہ سارے
حفاظت کرے گا، خدا ہمارا
زندہ رہے گا وطن ہمارا

اعجاز کی ہر دم دعا یہی ہے
ہم سب کا رب تو ہی ہے
کردے تو یہ تری عطا ہے
دے پھر ہم کو جذبہ کہن ہمارا
زندہ رہے گا وطن ہمارا
پائندہ رہے گا وطن ہمارا

کیمرہ

محمد سلیم اختر
کوئٹہ



کیمرا ایک ایسے ڈبے کو کہتے ہیں، جو چاروں طرف سے بند ہو۔ اس کے سامنے کی جانب ایک محدب عدسہ ہوتا ہے۔ پشت پر پلیٹ یا فلم لگانے کی جگہ ہوتی ہے۔ عدسہ کے سامنے ایک قرص ہوتا ہے، جس پر چھوٹے اور بڑے سوراخ بنے ہوئے ہوتے ہیں۔ ضرورت کے مطابق عدسہ کے سامنے چھوٹا یا بڑا سوراخ رکھا جا سکتا ہے۔ اس قرص کے ذریعے عدسہ کو ڈھکا جا سکتا ہے۔ تمام کیمرہ کو سیاہ کپڑا یا کاغذ لگایا جاتا ہے، تاکہ کسی اور طرف سے روشنی داخل نہ ہو سکے۔ جب کسی جسم کو عدسہ کے سامنے رکھتے ہیں تو اس کی شبیہہ پلیٹ پر بنتی ہے۔ عدسہ اور جسم کا فاصلہ عدسہ کے طول ماسکہ کے دگنے سے زیادہ رکھا جاتا ہے۔ پلیٹ پر الٹی اور

چھوٹی تصویر حاصل ہوتی ہے۔ پلیٹ پر اسی قسم کے مرکبات لگے ہوتے ہیں، جس پر روشنی اثر کرتی ہے اور شبیہہ پلیٹ پر بن جاتی ہے۔

فوٹو لینے سے قبل عدسہ اور پلیٹ کے درمیانی فاصلہ کو کم یا زیادہ کر کے عدسہ کو اپنی جگہ پر لاتے ہیں کہ مطلوبہ شبیہہ پلیٹ پر واضح بن جائے۔ موسم اور وقت کے لحاظ سے عدسہ کو کم یا زیادہ وقفہ کے لیے کھول دیا جاتا ہے۔

فوٹو کیمرے میں پلیٹ لگانے اور عدسہ کو صحیح مقام پر لانے اور صحیح وقفہ کے لیے عدسہ کو کھولنے کی مشق ضروری ہے۔ ورنہ فوٹو اچھی حاصل نہیں ہوتی۔ فوٹو لینے کے بعد پلیٹ کو ڈھک کر یا فلم کو لپیٹ کر نکالا جاتا ہے اور اندھیرے کمرے میں پلیٹ کے نقوش کو نمایاں کرنے اور قائم کرنے کا عمل کیا جاتا ہے۔ پلیٹ کو پہلے ڈیولیپر کے محلول میں ڈالا جاتا ہے اور پھر ہائپو کے محلول میں ڈالا جاتا ہے۔ اس عمل سے تصویر پلیٹ پر قائم ہو جاتی ہے۔ باقی پلیٹ صاف ہو جاتی ہے۔ جسم کے تمام سیاہ حصے پلیٹ پر سفید اور جسم کے سفید حصے پلیٹ پر سیاہ نظر آتے ہیں۔ اسی لیے اس پلیٹ کو نیگیٹیو کہتے ہیں، پھر اس پلیٹ سے تصویریں چھاپی جاتی ہیں۔ جن کاغذوں پر تصویریں چھاپی جاتی ہیں وہ خاص قسم کے ہوتے ہیں۔ کاغذ کو پلیٹ پر رکھ کر تھوڑے وقفہ کے لیے روشنی دکھائی جاتی ہے اور پھر کاغذ کو پلیٹ کی طرح دھوتے ہیں، جس سے تصویر کاغذ پر بن جاتی ہے۔ اگر بڑی تصویر کی ضرورت ہو تو وہ بھی نیگیٹیو سے حاصل کی جا سکتی ہے۔ یہ عمل انلارجمنٹ کہلاتا ہے۔ آج کل رنگین فلمیں بھی عام ہو گئی ہیں، جن کی مدد سے آپ کسی بھی منظر کی تصویر اس کے اصلی رنگوں میں اتار سکتے ہیں۔ سینما کی فلم تیار کرنے کے لیے بہت بڑا لیکن نہایت عمدہ کیمرا استعمال ہوتا ہے۔ اب بہت چھوٹے کیمرے بھی دستیاب ہونے لگے ہیں۔

نماز

شہود عالم صدیقی
اعظم گڑھ



میں ابھی آٹھ برس کا تھا کہ میرا داخلہ ہاروے ہائی اسکول جیلا میں ہوا۔ اب میں بلاناغہ اسکول میں حاضر ہونے لگا، پڑھ کر آتا تو دادی اماں بہت خوش ہوتیں۔ دادی اماں کچھ کھانے کو دیتیں۔ کھانے کے بعد کھیلنے چلا جاتا تھا۔ کھیل کر آتا تو پیر ہاتھ دھوکر کھانا کھاتا۔ کھانا کھا کر میں اپنے تمام اسباق سناتا اور ان سے طرح طرح کے سوالات کرتا۔

ایک دن کا واقعہ یہ ہے کہ میں اسکول سے آیا اور دادی اماں کو نماز پڑھتے ہوئے پایا۔ وہ کبھی کھڑی ہوتیں کبھی جھک جاتیں اور کبھی سر کو زمین پر رکھتیں۔ ایسی بات نہیں تھی کہ یہ میں نے پہلی بار دیکھا تھا۔ نہیں میں تو انھیں اکثر دیکھا کرتا تھا۔ اس مرتبہ میرے ذہن میں سوال پیدا ہوا کہ اس کے بارے میں دریافت کروں۔ جب نماز سے فارغ ہوئیں تب میں نے اپنی دادی اماں سے سوال کیا کہ نماز پڑھنے سے کیا فائدہ ہے۔ دادی اماں نے کچھ بھی نہیں کہا، البتہ یہ کہا کہ کل اپنے مولوی صاحب سے پوچھ لینا۔ میں نے بہت زیادہ اصرار کیا، لیکن یہی کہتی رہیں کہ اپنے استاد سے پوچھ لینا۔ تب میں خاموش ہوکر سونے چلا گیا۔

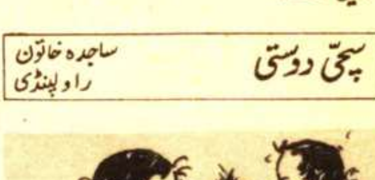
صبح کو بیدار ہوا، اور ضروریات سے فارغ ہوکر ناشتہ کیا۔ اس کے بعد اسکول چلا گیا۔ چند منٹ بعد مولوی صاحب تشریف لائے۔ جب حاضری لے کر فارغ ہوئے تب میں نے مولوی صاحب سے وہ سوال دہرایا، جسے میں نے اپنی دادی اماں سے پوچھا تھا۔

تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد مولوی صاحب نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی اسے کھانے کو کھانا اور پہنے کو کپڑا دیتا ہے، پس ہم انسانوں پر ضروری ہے کہ جو اللہ تعالیٰ حکم دے، اُسے بجا لائیں اور جس چیز سے منع کرے، رُک جائیں، لیکن ہم میں سے کچھ تو ایسے ہیں کہ اللہ کے بتائے ہوئے راستے پر چلتے ہیں اور جس کا حکم دیتے ہیں اسے بجا لاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو جنت عطا فرمائے گا، جس میں عمدہ قسم کے میوے ہوں گے، عالی شان محلات

ہوں گے اور جو اس کے بتائے ہوئے راستے پر نہیں چلتے، بلکہ شیطان ابلیس کے بتائے ہوئے راستے پر چلتے ہیں تو ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے جہنم تیار کر رکھی ہے، جس میں بھڑکتی ہوئی آگ ہوگی اور وہ اسی میں رہیں گے، اس میں طرح طرح کے سانپ بچھو ہوں گے، جو کہ انھیں ہمیشہ ڈستے ہی رہیں گے۔

سچی دوستی

ساجدہ خاتون
راولپنڈی



راحلہ ایک بے حد مغرور اور خود غرض لڑکی تھی۔ اس کا باپ ایک بڑے کارخانے کا مالک تھا۔ راحلہ کلاس بھر میں اپنی دولت پر اتراتی۔ روز اچھے سے اچھے کپڑے پہن کر جاتی۔ وہ بہت ہی نالائق لڑکی تھی، لیکن امارت کی وجہ سے بہت سی لڑکیاں اس کی سہیلیاں بن گئی تھیں اور راحلہ سے بہت سے پیسے اینٹھ لیتی تھیں، لیکن جب وہ اُن لڑکیوں سے کوئی کام پوچھتی تو صاف انکار کرتیں کہ ہمیں تو کچھ بھی نہیں آتا۔

شکیلہ بھی راحلہ کی کلاس فیلو تھی یہ انتہائی سنجیدہ اور خاموش لڑکی تھی۔ ذہانت اور متانت کے لحاظ سے بھی بہتر تھی۔ کلاس بھر میں ہمیشہ اوّل آتی۔ نہ جانے کیوں راحلہ شکیلہ سے اتنا جلتی تھی۔ وہ شکیلہ سے کلاس میں اُس دن بولتی جس دن اُسے کوئی کام پوچھنا ہو۔ ایسے آڑے وقت میں شکیلہ ہی اس کے کام آتی، لیکن بعض اوقات ایسا ہوتا کہ شکیلہ کچھ نہ بتا سکتی تو راحلہ خواہ مخواہ اُس سے خوب لڑتی اور اُس کے خلاف دوسری لڑکیوں کو خوب بھڑکاتی، لیکن کوئی نہیں جانتا ہے کہ خدا کی لاٹھی بے آواز ہے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے راحیلہ کے باپ کو شدید بخار ہوگیا۔ اُسے ہسپتال میں داخل کیا گیا۔ اس کا بہت علاج ہوا، لیکن خدا کو جو منظور تھا وہی ہوا ایک دن اُس کے باپ کا انتقال ہوگیا۔ اب راحیلہ کا اس کی ماں کے سوا کوئی سرپرست نہ تھا۔ مجبوراً اس کی ماں نے کپڑے سینے کا کام سنبھال لیا جو کچھ کماتی اس سے صرف گزارہ ہی مشکل سے ہو سکتا تھا، لیکن پھر بھی راحلہ نے اپنی

پڑھائی جاری رکھی، کیونکہ فیس بالکل معاف ہوگئی تھی۔ اب وہ بالکل افسردہ رہتی تھی۔ آٹھویں کا داخلہ جانے والا تھا۔ راحلہ کے پاس اتنے پیسے نہ تھے کہ وہ اپنا داخلہ بھیج سکے۔ اس لیے اس نے اس سال امتحان دینے سے انکار کردیا، لیکن جب شکیلہ کو یہ بات معلوم ہوئی تو اُسے بہت رنج ہوا۔

اتفاق سے اُسی سال شکیلہ کے باپ کی تنخواہ میں اضافہ ہوا تھا۔ تنخواہ بڑھنے کی خوشی میں اُسے دس رُپے انعام میں ملے۔ عید بھی قریب تھی۔ اُس نے اپنے اچھے کپڑے نہ بنائے، بلکہ خوشی خوشی راحلہ کے پاس گئی اور وہ رقم اُس کے ہاتھ میں تھمادی۔ راحلہ اس واقعہ کو دیکھ کر سکتے میں رہ گئی۔ بے حد شرمندہ ہوئی۔ شکیلہ سے معافی مانگی اور وعدہ کیا کہ آج سے ہم دونوں بہنیں ہیں۔ اب یہ دونوں اکٹھی ہوکر کام کرتیں امتحان کے لیے ایک ساتھ محنت کرتیں۔ جب اسکول میں شکیلہ کی ہمدردی کا معلوم ہوا تو سب استانیوں نے اسے بہت سا انعام دیا۔

...

بساطی اور بندر

اشتیاق احمد
جام شورہ



کسی گاؤں میں ایک بساطی رہتا تھا۔ وہ آس پاس کے گاؤں میں جاکر اپنی ٹوپیاں بیچا کرتا تھا اور اس طرح اپنی روزی کمایا کرتا تھا۔ ایک روز وہ ٹوپیاں لے کر ایک گاؤں میں گیا۔ راستہ میں دھوپ ہوگئی تھی اور گرمی کا موسم تھا۔ بساطی دھوپ اور گرمی کی تاب نہ لاکر کسی سایہ دار درخت کی تلاش میں تھا کہ اس کی نگاہ ایک سایہ دار درخت پر پڑی۔ وہ وہاں پہنچا۔ اس نے درخت کے نیچے ایک ٹھنڈے پانی کا کنواں بھی دیکھا ایسا پُرفضا مقام دیکھ کر وہ پانی وغیرہ پی کر وہیں درخت کے سائے میں لیٹ گیا۔ تھوڑی دیر میں اسے نیند آگئی۔

اس درخت پر بندروں کا گروہ رہتا تھا۔ جب انھوں نے بساطی کو لیٹا دیکھا تو اُن کو ایک شرارت سوجھی اور انھوں نے

بساطی کی گٹھری پھاڑ دی اور ٹوپیاں نکال کر پہن لیں اور درخت پر چڑھ گئے۔ جب بساطی کی آنکھ کھلی تو اس نے اپنی گٹھری کو پھٹا ہوا پایا تو اسے بہت غصّہ آیا۔ بساطی بھی بہت عقلمند تھا اس نے اپنی ٹوپی سر سے اتار کر زمین پر پھینک دی۔ بندر آدمی کی نقل کرتا ہی ہے تو انھوں نے بھی اپنی اپنی ٹوپی نیچے زمین پر پھینک دی اور بساطی نے جلدی جلدی ٹوپیاں اٹھاکر پھر اپنی گٹھری بنائی اور پھر وہاں سے آگے روانہ ہوگیا۔

سزا

ناصر خاں



سیما اپنی ماں کی اکلوتی لڑکی تھی۔ اس کا باپ عرصہ ہوا کسی حادثہ کا شکار ہوچکا تھا۔ سیما کی ماں کسی نہ کسی طرح سلائی وغیرہ کرکے اپنا اور اس کا پیٹ پالتی تھی۔ زیادہ تر اسے کام قریبی سیٹھ کے ہاں سے مل جاتا تھا۔ جو ایک نیک اور خدا ترس آدمی تھا۔ سیٹھانی نے بھی طبیعت نیک پائی تھی، لیکن اولاد ان کے بھی بس ایک لڑکی انجم ہی تھی، جو ماں اور باپ دونوں کی آنکھ کا تارا تھی۔ اس کی معمولی سے معمولی بات بھی فوراً پوری کی جاتی تھی۔ شاید اس کی آنکھوں سے کبھی ایک آنسو بھی نہ گرا تھا۔ ماں باپ کے لاڈ پیار نے انجم کو مغرور اور بے رحم بنادیا تھا۔ وہ خود غرض تھی۔ اس کو دوسروں کے دکھ درد کا کچھ احساس نہ تھا۔

شاید یہی وجہ تھی کہ سیما جب بھی اپنی ماں کے ساتھ اس کے گھر آتی وہ اس کو طرح طرح سے پریشان کرتی۔ کبھی اس کے کپڑوں کا مذاق اڑاتی اور کبھی اسے یتیم کہہ کر خوش ہوتی اور باتوں کو سیما برداشت کرلیتی، مگر یتیم کے لفظ پر اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگتے اور انجم یہ دیکھ کر مسکراتی ہوئی چلی جاتی، مگر سیما مجبور بے بس سوائے کڑھنے کے اور کچھ نہ کرسکتی۔

مگر شاید قدرت کو انجم کا یہ مذاق پسند نہ آیا۔ اس کے مذاق سے وہ بھی مسکرا اٹھی شاید اس نے بھی کوئی مذاق سوچ لیا تھا۔ انجم کے والد کہیں باہر دورے

پر جانے والے تھے۔ سیٹھانی اور انجم نے بھی ان کے ساتھ جانے کا ارادہ کر لیا۔ انجم بہت خوش تھی۔ وہ طرح طرح کے پروگرام بناتی اور بار بار سیما کو چھیڑتی کہ اس کے والد ہوتے تو وہ بھی ان کے ساتھ جاتی۔ وہ یتیم ہے، جبھی تو کہیں نہیں جاتی۔ آخر خدا خدا کر کے وہ دن آ گیا جب انجم وغیرہ کو جانا تھا۔ وہ بہت خوش تھی اور صبح سے جانے کی تیاریوں میں مشغول تھی۔ نئے نئے کپڑے پہنے وہ نوکروں کو آرڈر دے رہی تھی کہ یہ کرو، وہ کرو۔ یہ رکھو، وہ رکھو۔ شام کو وہ لوگ اسٹیشن روانہ ہوئے۔ سیٹھ صاحب کے بہت سے دوست چھوڑنے آئے۔ انھوں نے انجم کو بھی مٹھائی وغیرہ دی۔ گاڑی روانہ ہوئی۔

انجم کھڑکی سے لگی بیٹھی باہر دیکھ رہی تھی۔ وہ باہر کے نظارے دیکھنے میں مصروف تھی۔

اچانک ایک زور کا دھماکہ ہوا اور پھر جب انجم کی آنکھ کھلی تو اس کی ماں کے ہاتھوں کی چوڑیاں ٹوٹ چکی تھیں، روتے روتے اس کی آنکھیں سوج گئی تھیں اور پھر اس کی خود بھی چیخیں نکل گئیں، کیوں کہ اب وہ خود یتیم ہو چکی تھی۔ اس کے والد چلتی ریل سے اچانک نیچے جا گرے تھے اور نیچے گرتے ہی وہ اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے۔

بچو! ہمیشہ اس بات کا خیال رکھو کہ تمھارے کسی فعل سے یا کسی بات سے دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے۔

دنیا کی مشہور ایجادات

ایجاد	موجد	سال
ریوالور	کولٹ	۱۸۳۵ء
ڈائنامیٹ	نوبل	۱۸۶۶ء
ایٹم بم	امریکا اور برطانیہ کے سائنس داں	۱۹۴۵ء
ٹائپ رائٹر	ہامنر	۱۸۶۸ء
مائیکروفون	برلیز	۱۸۷۷ء
وائرلیس	مارکونی	۱۸۹۶ء
ٹیلی ویژن	بیرڈ	۱۹۲۶ء
ڈیزل انجن	ڈیزل	۱۸۹۵ء
ہوائی جہاز	رائٹ برادرز	۱۹۰۳ء
بجلی کا لیمپ	ایڈیسن	....
گراموفون	برلنر	۱۸۷۸ء

(سید افتخار احمد۔ کوثر۔ ڈھاکہ)

تمھارا خیال ہے

پہلے سے بہتر

میں ہر ماہ نونہال کا مطالعہ کرتا ہوں ہمیشہ پہلے سے بہتر پاتا ہوں۔ اس ماہ نونہال واقعی بہت عمدہ تھا۔ پڑھ کر ازحد خوشی ہوئی۔ سچ تو یہ ہے کہ ہمارا پیارا پیارا رسالہ اب ترقی کی راہ پر گامزن ہو چکا ہے اور خدا کے فضل سے ترقی کی منازل تیزی سے طے کر رہا ہے۔

طارق سلیم احمد۔ کراچی

واہ واہ

اس مہینے کا ہمدرد نونہال کا ٹائیٹل بہت ہی خوب صورت تھا۔ میرے منہ سے اچانک واہ واہ نکلنے لگا، پھر جو ہمدرد نونہال کھول کر دیکھا تو اس میں ایک سے ایک اچھی کہانیاں تھیں، جو کہ ہمیں اچھے اچھے سبق دیتی ہیں اور ایک سے ایک اچھی نظم، خاص کر جناب عابد نظامی صاحب کی "دو بہنیں" بہت ہی پسند آئیں۔ انشاءاللہ ماہِ جنوری سے میں اور میرے تین پکے دوست، جن کو ہمدرد نونہال بہت ہی اچھا لگتا ہے، اس کے خریدار بنیں گے، کیوں کہ یہ روز بہ روز ترقی کر رہا ہے اور اس سے ہمیں ایک سے ایک معلومات حاصل ہوتی ہیں۔

آغا محمد عباس جعفری۔ کراچی

خوب صورت ٹائیٹل

میں نے نونہال رسالہ پہلی بار پڑھا۔ پڑھ کر دلی خوشی حاصل ہوئی، کیوں کہ اس کی کہانیاں بھی اچھی ہیں اور اس کا ٹائیٹل تو تمام رسالوں سے اچھا اور پیارا ہوتا ہے۔ مجھے اس سے دلی محبت ہے۔

رحمت اللہ۔ حافظ آباد

پہلی مرتبہ

ستمبر کا ہمدرد نونہال دیکھا۔ جتنی کہ میرے دوست نے تعریف کی تھی، اُس سے بھی بڑھ چڑھ کر پایا اور پھر ٹائیٹل تو بڑا ہی اچھا تھا۔ پہلی مرتبہ میں ہی میں اس کا گرویدہ ہو گیا۔

مٹھائی اور آہ بے چارہ ریچھ بڑے اچھے تھے۔ بے اختیار دل یہ کہتا ہے کہ ہمارے رسالے کو اللہ تعالیٰ خوب ترقی عطا فرمائے۔

فرقان محمد خاں۔ حیدرآباد

گیارہ سال سے

میں ہمدرد نونہال تقریباً ۱۱ سال سے پڑھتا آرہا ہوں۔ جب کہ ہمدرد نونہال ہر آنے میں ملا کرتا تھا اور بڑے سائز پر آیا کرتا تھا، لیکن آج کل یہ ڈائجسٹ سائز پر آتا ہے اور بلاشک و شبہ پاکستان کے بہترین اور صفِ اول کے رسالوں میں شمار ہونے لگا ہے، لیکن اگر آپ ساتھ ہی ساتھ رسالے کو سفید کاغذ پر چھاپنے لگیں تو پھر یہ سب رسالوں میں ممتاز ہو جائے گا۔

سید نسیم احمد شاہ۔ کراچی

تعلیمی معمّا

ستمبر کا رسالہ ملا۔ ٹائیٹل بڑا خوب صورت تھا۔ کہانیاں بھی عمدہ تھیں۔

اب رسالے میں ایک کمی رہ گئی ہے۔ وہ یہ کہ تعلیمی معما شروع کیا جائے۔ میں ملک خالد جاوید، شہناز، اختر متین، شوکت علی کی تائید کرتا ہوں اور مجھے امید ہے دوسرے نونہال بھی اس سے اتفاق کریں گے۔

اختر زماں۔ بارکھاں

نونہالوں کے مضامین

اکتوبر کا شمارہ پڑھا۔ بہت پسند آیا۔ مجھے ایک بات کا افسوس ہے کہ جب یہ رسالہ بچّوں کے لیے ہے تو اس میں بڑوں کے مضامین کیوں شائع کیے جاتے ہیں۔ میرے خیال میں بڑوں کے مضامین شائع کرنا بند کر دیں اور اس کی جگہ نونہالوں کے مضامین شائع کریں۔ یہ کیا ہوا کہ ہمارے لیے چند صفحے مقرر کر دیے اور باقی کا رسالہ بڑوں کے لیے مخصوص کر دیا۔ اس کے ساتھ بہن بھائیوں کو بھی چاہیے کہ وہ اچھے اچھے مضمون روانہ کریں تاکہ ہمارا یہ پیارا رسالہ پاکستان کا سب سے اچھا رسالہ بن جائے۔

محمد سلیم اختر۔ کوئٹہ

نونہالوں کی تصویریں

گزشتہ ایک سال سے میں ہمدرد نونہال پڑھ رہا ہوں اب تو اس رسالے کا جواب ہی نہیں ہے۔ ستمبر کا نونہال پڑھا ٹائیٹل بڑا ہی پیارا تھا اور بچوں کی تصویریں بہت ہی بھولی بھالی اور پیاری تھیں ہر ایک مضمون لاجواب تھا آپ کا رسالہ تو ترقی کی سیڑھی پر چڑھتا چلا جارہا ہے۔ بس میری آخری التجا ہے کہ آپ تصویریں زیادہ چھاپنے کا انتظام شروع کر دیجیے۔ امید ہے کہ سب بھائی بہن میری رائے سے اتفاق کریں گے۔

حسین احمد صدیقی۔ روہڑی

خوب صورت ٹائیٹل

ماہِ ستمبر کا نونہال پڑھا۔ جس میں خاص کر دنیا کا سب سے پہلا کیمیا داں، چھوٹا بھائی جیت گیا، بندر کی شرارت، کہانیاں بہت پسند آئیں۔

ٹائیٹل بھی لاجواب تھا۔ میری دعا ہے کہ نونہال دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی کرے۔

میمن کمار۔ کراچی

بہت پسند ہے

میں نے ماہ مئی ۱۹۶۵ء سے ہمدرد نونہال پڑھنا شروع کیا ہے۔ یہ رسالہ مجھے بہت پسند آیا، کیوں کہ اس میں دل چسپ مضامین، کہانیاں اور معلوماتی باتیں چھپتی ہیں۔ میرا ارادہ ہے کہ اس رسالے کا پڑھنا ہمیشہ کے لیے جاری رکھوں۔

امین اللہ خان۔ پشاور

سال نامہ

اکتوبر کا شمارہ ملا۔ ٹائیٹل بہت ہی لاجواب تھا۔ کہانیوں میں خاص طور پر " نونہال ادیب" اور 'بہادر ملاح'، بادشاہ، پادری اور چرواہا، وطن کی راہ میں، میں وہ چھٹی کبھی نہیں بھولوں گا، محمد علی کلے، شیکسپیئر کا بچپن اور لالچ بہت ہی پسند آئیں۔ نظموں میں دو بہنیں اور ننھا خرگوش اچھی تھیں۔ میرے خیال میں اب آپ کو ایک سال نامہ نکال دینا چاہیے اور وہ سال نامہ ایک حسین گلدستہ ہو جس سے تمام نونہال فائدہ اٹھاسکیں۔ سال نامہ اپنی مثال آپ ہو۔ قیمت کی کوئی بات نہیں۔ ویسے تو نونہال کا ہر شمارہ سال نامے سے کم نہیں ہوتا، لیکن ہمدرد نونہال کا سال نامہ ایسا ہو، جسے ہمیشہ یاد رکھا جاسکے۔

خالد پرویز۔ کراچی

اچھی تصویریں

میں ہمدرد نونہال بڑی پابندی سے پڑھتا ہوں۔ یقین جانیے کہ جب تک اپنے اس رسالے کو ٹائیٹل کے صفحے سے لے کر آخری صفحے تک حرف بحرف نہیں پڑھ لیتا، اُس وقت تک رسالہ ہاتھ سے نہیں چھوڑتا۔ ہاں کبھی کبھی ہمدرد نونہال کے لیے گھر کے دوسرے بچوں سے ہاتھا پائی کی نوبت بھی آجاتی ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ اگر اس رسالے میں بچوں کی خوب صورت تصویریں زیادہ شائع کریں تو سونے پر سہاگہ ہو جائے۔

شاہ ریاض احمد۔ کراچی

پسندیدہ رسالہ

آج پہلی مرتبہ " ہمدرد نونہال" پڑھنے کا اتفاق ہوا، پڑھ کر بڑی مسرت ہوئی کہ اب بھی چند رسالے ایسے ہیں جنھیں پڑھا جاسکتا ہے، جس میں میرا اور تمام نونہالوں کا پسندیدہ " ہمدرد نونہال" سر فہرست ہے۔ ساری کہانیاں اور نظمیں بے حد دل چسپ ہیں۔ میری طرف سے دلی مبارک باد قبول فرمائیے۔

انجم شیم پروانہ۔ کراچی

سب سے پیارا

نونہال کے آتے ہی ہمارے گھر میں خوشی کی لہر پھوٹ پڑتی ہے۔ نونہال، پاکستان تو کیا دنیا کے بہترین بچوں کے رسالوں میں شمار ہوتا ہے۔ اس میں پاکستان کے مشہور ادیبوں کے مضامین ہوتے ہیں، جو ہمارے دلوں میں شروع ہی سے پاک خیال ڈال رہے ہیں۔

غرض ہمدرد نونہال کی تعریف کرنا سورج کو چراغ دکھانے کے مشابہ ہے۔ اگر آپ کوئی معما شروع کریں۔ تو " وہ تعلیمی معما ہو"۔

اخبار نونہال بہت ہی اچھا سلسلہ ہے، لیکن اس میں مواد گھٹتا جارہا ہے۔ اخبار نونہال پر ضرور توجہ فرمائیں۔

غرض ہمدرد نونہال سب سے اچھا سب سے پیارا اور دل کش رسالہ ہے۔ خدا اسے اور ترقی کے دن دکھائے۔

منیر احمد بھٹی۔ جھنگ

سب سے اچھا

آپ کا رسالہ ہمدرد نونہال بہت پسند آیا۔ سب رسالوں میں سب سے اچھا رسالہ یہی ہے۔ ٹائیٹل بہت اچھا اور خوب صورت ہوتا ہے۔ لطیفے وغیرہ بڑے دل چسپ ہوتے ہیں۔ کہانیاں بھی کافی اچھی ہوتی ہیں۔ میری طرف سے سب لکھنے والوں کی خدمت میں مبارک باد پیش کیجیے۔

شاہین اسلام انصاری۔ کراچی

سب کے لیے

نومبر کا رسالہ ملا ٹائیٹل سے نظر ہٹانے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ میری طرف سے آرٹسٹ صاحب کو مبارک باد دیں۔ اس رسالے میں ہمارے کام کی بہت سی چیزیں ہوتی ہیں۔ اس کو ہر عمر کے لوگ پسند کرتے ہیں۔ باقی تمام کہانیاں اور مضامین بھی اچھے تھے۔ نظمیں بھی پسند آئیں۔ خدا اس رسالہ کو اور زیادہ ترقی دے۔

سلیم الدین فصیحی۔ لائل پور

سب کچھ اچھا

میں کئی ماہ سے "ہمدرد نونہال" کا مطالعہ کر رہا ہوں، کیوں کہ اس میں بہت اچھی اچھی کہانیاں، لطیفے، حلقۂ دوستی اور دل چسپ مضامین ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی مفید باتیں اس میں ہوتی ہیں۔

مجھے ہمدرد نونہال سے بہت ہی دل چسپی ہے۔

ممتاز رحمن۔ کراچی

حلقۂ دوستی

ستمبر کا ہمدرد نونہال آیا، گویا میرے دل میں بہار آگئی۔ ٹائیٹل تو خوب تھا۔ سب لکھنے والوں نے خوب محنت کی ہے۔ سب مضمونوں میں "مٹھائی" مجھے بڑی پسند آئی۔

برائے مہربانی آپ "حلقۂ دوستی" کے صفحات بند نہ کریں، بلکہ میرا خیال ہے کہ آپ "حلقۂ دوستی" کا فارم بند کر دیں اور جب آپ یہ دیکھیں کہ اب نونہالوں کی فہرست ختم ہوگئی ہے تو حلقۂ دوستی کا فارم شائع کر دیں، پھر آپ کے پاس بہت سے نونہالوں کے نام آئیں گے اور اس وقت تک حلقۂ دوستی کا فارم نہ شائع کریں جب تک کہ نام ختم نہ ہو جائیں۔ سب نونہال بھائی بہن میرے خیال کی تائید کریں گے۔

سید عبدالحی مدنی۔ حیدرآباد

پیاری تصویریں

ستمبر کا نونہال ملا، جو میرے ماموں منگاتے ہیں۔ ہمارا نونہال رسالہ تیزی سے ترقی کر رہا ہے کہانیاں بہت اچھی ہوتی ہیں۔ ہمدرد نونہال کی تصویریں بھی پیاری پیاری ہوتی ہیں۔

قمرالدین قریشی۔ گوٹھ ٹھگا

اچھے سے اچھا

آپ کے کثیر الاشاعت ماہنامے "ہمدرد نونہال" کی ایک کاپی میں نے اپنے ایک ہندستانی دوست کی خدمت میں بغرض مطالعہ بھیجی تھی۔ نہ صرف ان کو بلکہ ان کے اہل خانہ کو بھی بے حد پسند آیا۔ اتنا بہترین اور پیارا رسالہ نکالنے پر مبارکباد دیتے ہیں۔

محمد اسلم۔ کراچی

ان الفاظ کے معنی کیا ہیں؟

احساس: پانچ حواس میں سے کسی حس کے ذریعہ کچھ معلوم کرنا۔

اوجھل : آڑ، پردہ، سامنے کی ضد۔

تحلیل کرنا: حل کرنا، اجزا الگ الگ کر دینا۔

تشبیہ : ایک چیز کو دوسری چیز جیسا ٹھہرانا۔

پھوہڑ : بے سلیقہ، بے تمیز، بے ہنر۔

جھنڈ : بہت سے درخت جو کہ ایک جگہ اُگے ہوں، آدمیوں کی بھیڑ۔

خستہ حال: پریشان، ناخوش، تھکا ہوا۔

خصلت : عادت۔

خودغرض : اپنے مطلب کا چاہنے والا، مطلبی۔

دولتی : وہ مار، جو گھوڑے یا گدھے پچھلی دو لاتوں سے مارتے ہیں۔

ڈھابلی : مرغی یا کبوتر کے رہنے کی جگہ۔

روانی : بہاؤ، تیزی۔

ریس : برابری، رشک، حرص۔

سروکار: مطلب۔

شکن : جھول۔

علم الارض: زمین کے بارے میں جاننا۔

کائنات : دنیا۔

کثیرالاشاعت : بہت زیادہ چھپنے والا۔

کچلا : ایک دوا کا نام، جو زہر ہے۔

کردار : چلن، عادتیں۔

کش مکش: کھنچا تانی، لڑائی جھگڑا۔

کِلکِل : بکواس، فضول بحث کرنا۔

کھپریل : کھپروں سے چھائی ہوئی چھت۔

کھوج : پتہ لگانا، ڈھونڈنا، سراغ۔

گام زن : چلنا۔

گردش : چکر کرنا۔

گرویدہ : اطاعت کا عہد کرنا۔

گل دان : پھول دان۔

گوارا : وہ چیز جو پسندیدہ بھی نہ ہو اور ناپسند بھی نہ ہو۔

لاڈلی : پیاری۔

محکوم : ماتحت، نوکر چاکر۔

مخصوص : خاص کیا گیا۔

ممتاز : امتیاز رکھنے والا، نمایاں۔

منازل : منزل کی جمع، ٹھہرنے کی جگہ۔

منظم : وہ چیز جو نظم [illegible] ساتھ ہو۔

نگوڑی : کم بخت، نکمی۔

حلقۂ دوستی

اقبال پرویز ـــــــــ لاہور

عمر: ۱۶ سال تعلیم: ہشتم

دل چسپیاں: قلمی دوستی، نونہال پڑھنا

پتہ: ۱۳۹ - محلہ بیباں - موچی گیٹ - لاہور

... عارفین ـــــــــ کراچی

عمر: ۱۳ سال تعلیم: ششم

دل چسپیاں: قلمی دوستی

پتہ: فریئر روڈ بین ہاؤس نمبر ۲ - موہن روڈ - کراچی

خالد احمد نور احمد سومرو ـــــ جیکب آباد

عمر: ۱۴ سال تعلیم: نہم

دل چسپیاں: قلمی دوستی - مطالعہ

پتہ: بلوچ سائیکل ورکس اسٹیشن روڈ - جیکب آباد

سید ثاقب حسین ـــــــ منٹگمری

عمر: ۱۰ سال تعلیم: پنجم

دل چسپیاں: قلمی دوستی

پتہ: موضع فیض پور ڈاکخانہ بلّل گنج تحصیل پاک پتن منٹگمری

سید انصار حسین رضوی ـــــ حیدر آباد

عمر: ۱۷ سال تعلیم: دہم

دل چسپیاں: قلمی دوستی، ...نیاں لکھنا، سیر و تفریح

پتہ: ۹۸/۱ ... ای ...ک بھگت گلی شاہی بازار - حیدر آباد

سمینہ یاسمین ـــــــ ڈھاکہ

عمر: ۹ سال تعلیم: ششم

دل چسپیاں: قلمی دوستی، مطالعہ

پتہ: محمد اقبال اے جی-ای (اے. آئی. آر) ڈھاکہ مشرقی پاکستان

عادل انور ـــــــ کوٹری

عمر: ۱۶ سال تعلیم: دہم

دل چسپیاں: نونہال پڑھنا

پتہ: معرفت انور اقبال کلاتھ مرچنٹ شاہی بازار - کوٹری

شہلی صدیقی ـــــــ ڈھاکہ

عمر: ۸ سال تعلیم: اوّل

دل چسپیاں: قلمی دوستی، مطالعہ

پتہ: فلائیٹ لفٹیننٹ سلیم صدیقی پی اے ایف، ڈھاکہ مشرقی پاکستان

لیاقت علی سلمان ـــــــ منٹگمری

عمر: ۱۴ سال تعلیم: نہم

دل چسپیاں: قلمی دوستی، ٹکٹ جمع کرنا

پتہ: معرفت ایاز لائبریری - اکبر روڈ اوکاڑہ - منٹگمری

ایس، اے، رانا ـــــــ کراچی

عمر: ۱۸ سال تعلیم: دہم

دل چسپیاں: قلمی دوستی، تعلیم حاصل کرنا۔

پتہ: اسٹیمر بلڈنگ روم نمبر ۱۷ بسی رنچھوڑ لائن - عید گاہ میدان - کراچی

روبینہ حمید احمد ـــــــ ڈھاکہ

عمر: ۱۶ سال تعلیم: دہم

دل چسپیاں: قلمی دوستی، مطالعہ

پتہ: محمد اقبال ملک اے - جی ای (اے آئی آر) ڈھاکہ مشرقی پاکستان

نور محمد خاں ——— میانوالی

عمر: ۱۲ سال تعلیم: ششم

دل چسپیاں: قلمی دوستی، مطالعہ

پتہ: ڈی-سی ہائی اسکول، موسیٰ خیل، ضلع میانوالی

شوکت حسین ——— کیمبلپور

عمر: ۱۵ سال تعلیم: نہم

دل چسپیاں: قلمی دوستی، ٹکٹ جمع کرنا

پتہ: معرفت غلام حسین پرانی سبزی منڈی ہنڈی گھیب کیمبلپور

جاوید الرشید عباسی ——— جھنگ

عمر: ۸ سال تعلیم: سوئم

دل چسپیاں: ٹکٹ جمع کرنا، رسالے پڑھنا

پتہ: مکان نمبر ۱۲۶ بستی ارائیاں جھنگ صدر

سید گل حسین شاہ ——— ہزارہ

عمر: ۱۶ سال تعلیم: فرسٹ ائیر

دل چسپیاں: قلمی دوستی، ٹکٹ جمع کرنا

پتہ: معرفت ہزارہ ویلڈنگ شاپ جی-ٹی روڈ ہری پور ہزارہ

ضیاء الرشید عباسی ——— جھنگ

عمر: ۶ سال تعلیم: اوّل

دل چسپیاں: تصویریں جمع کرنا

پتہ: مکان نمبر ۱۲۶ بستی ارائیاں، جھنگ صدر

شاہد محمود قریشی ——— حیدرآباد

عمر: ۱۶ سال تعلیم: دہم

دل چسپیاں: قلمی دوستی

پتہ: ۴۵/ الف ۶۲۴ نزد حبیب بینک ریلوے روڈ حیدرآباد

شیخ امتیاز احمد ——— ملتان

عمر: ۱۷ سال تعلیم: ایف اے

دل چسپیاں: قلمی دوستی، مطالعہ، بیڈمنٹن کھیلنا

پتہ: معرفت نذیر احمد شمع بک اسٹال صدر بازار ملتان چھاؤنی

منظور احمد ظفر ——— لائل پور

عمر: ۱۶ سال تعلیم: نہم

دل چسپیاں: قلمی دوستی، فوٹوگرافی

پتہ: چک نمبر ۲۵۰ گ ب انوکھ والی تحصیل ٹوبہ ٹیک سنگھ۔ لائل پور

مامون الرشید عباسی ——— جھنگ

عمر: ۱۰ سال تعلیم: [illegible]

دل چسپیاں: قلمی دوستی - رسالے پڑھنا

پتہ: مکان نمبر ۱۲۶ بستی ارائیاں - جھنگ صدر

مسرت ناہید ——— کراچی

عمر: ۱۶ سال تعلیم: انٹرسائنس

دل چسپیاں: بہنوں سے قلمی دوستی، کشیدہ کاری

پتہ: ۲۶/۱ دہلی کالونی، گزری روڈ- کراچی

محمد ابراہیم صدیقی ——— ڈیرہ غازیخان

عمر: ۱۵ سال تعلیم: نہم

دل چسپیاں: قلمی دوستی، ہمدرد نونہال پڑھنا

پتہ: بلاک ایف، نمبر ۳۵ ڈیرہ غازی خان

شاہدہ حمید خاں ——— کراچی

عمر: ۱۳ سال. تعلیم: ہشتم

دل چسپیاں: بہنوں سے قلمی دوستی۔ مطالعہ

پتہ: معرفت عبدالحمید خاں ۲۹۰ بہادرآباد، روڈ نمبر ۱۵- کراچی

ظہور الحق شمسی ——— پیلی بھیت

عمر: ۱۸ سال تعلیم: ایف اے

دل چسپیاں: قلمی دوستی، کرکٹ کھیلنا

پتہ: میسرز بنا سپتی اسٹور پیلی بھیت (یوپی) انڈیا

ریوت کمار جوشی ——— مچھ بولان
عمر: ۱۳ سال تعلیم: ششم
دل چسپیاں: ہمدرد نونہال پڑھنا۔ سائیکل چلانا
پتہ: سیٹھ رام چند گھنشام داس جنرل مرچنٹ۔ مچھ بولان

رانا محمد سردار پرویز ——— منٹگمری
عمر: ۱۶ سال تعلیم: ہشتم
دل چسپیاں: قلمی دوستی، ہاکی کھیلنا
پتہ: [illegible]ٹ ہائی اسکول چک ۱۴/۵۲ کسوال۔ منٹگمری

سیف اللہ خاں اجمل ——— بھٹیاں
عمر: ۱۴ سال تعلیم: نہم
دل چسپیاں: نونہال پڑھنا، والی بال کھیلنا
پتہ: ڈی سی ہائی اسکول۔ جلال پور بھٹیاں

انعام الرحیم ——— لائل پور
عمر: ۱۵ سال تعلیم: دہم
دل چسپیاں: قلمی دوستی، ٹکٹ جمع کرنا۔
پتہ: ۱۸۔ ایم / پی گلی نمبر ۹ ٹاؤن روڈ جڑانوالہ۔ لائل پور

تنویر احمد خاں ——— رحیم یار خاں
عمر: ۱۵ سال تعلیم: ششم
دل چسپیاں: قلمی دوستی، ٹکٹ جمع کرنا
پتہ: مسلم کمرشل بینک لمیٹڈ حسین بازار صادق آباد۔ رحیم یار خاں

جاوید اقبال ——— چک جھمرہ
عمر: ۱۱ سال تعلیم: ششم
دل چسپیاں: قلمی دوستی۔ مطالعہ
پتہ: رول نمبر ۱۲ اے۔ [illegible] ہائی اسکول۔ چک جھمرہ

شگفتہ عزیز صدیقی ——— کراچی
عمر: ۱۲ سال تعلیم: ہفتم
دل چسپیاں: رسالے پڑھنا، قلمی دوستی
پتہ: ۵۶/۸ اے عزیز آباد۔ کراچی نمبر ۱۹

قاسم علی خواجہ ——— میرپورخاص
عمر: ۱۷ سال تعلیم: دہم
دل چسپیاں: قلمی دوستی، رسالے پڑھنا، کرکٹ کھیلنا
پتہ: کراچی آٹو اسٹور نزد ریلوے اسٹیشن۔ میرپورخاص

سرور راجہ ——— گجرات
عمر: ۱۷ سال تعلیم: دہم
دل چسپیاں: قلمی دوستی
پتہ: معرفت راجہ سجاول خان نیوز ایجنٹ منڈی بہاؤالدین گجرات

ماجد علی ——— مورو
عمر: ۱۲ سال تعلیم: ششم
دل چسپیاں: نونہال پڑھنا، کرکٹ کھیلنا
پتہ: واجد علی گورنمنٹ ٹرانسپورٹ سروس مورو

حسن امام صدیقی ——— رنگ پور
عمر: ۱۴ سال تعلیم: دہم
دل چسپیاں: قلمی دوستی، کرکٹ کھیلنا
پتہ: معرفت: محمد اسلام صدیقی لوکو فورمین۔ لال منیرہاٹ رنگپور

مختار محمد ——— ڈیرہ اسماعیل خاں
عمر: ۱۵ سال۔ تعلیم: دہم
دل چسپیاں: قلمی دوستی، مطالعہ
پتہ: کوچہ فتح چند نمبر ۱۳۲۴ اسی کمشنری بازار۔ ڈیرہ اسماعیل خان

غلام رسول کھتری ——— کراچی
عمر: ۱۴ سال تعلیم: نہم
دل چسپیاں: قلمی دوستی، ٹکٹ جمع کرنا
پتہ: ۱۵۴/۲۵ بوری بلڈنگ نارتھ نپیئر روڈ۔ کراچی

محمد نواز خاں حسرت ——— ملتان

عمر: ۱۳ سال تعلیم: نہم

دل چسپیاں: قلمی دوستی، مطالعہ

پتہ: چک ۱۵/۵ موضع ماڑل سرفراز خاں، دہاڑی۔ ملتان

شیخ اظہر احمد تخلص ——— کراچی

عمر: ۱۵ سال تعلیم: دہم

دل چسپیاں: قلمی دوستی، شاعری

پتہ: ۵۵۷/بی۔۳۷ لانڈھی کالونی۔ کراچی

سید محمد زبید ——— بوگرہ

عمر: ۱۶ سال تعلیم: دہم

دل چسپیاں: رسالے پڑھنا۔ فوٹو جمع کرنا

پتہ: مسلم ہائی اسکول۔ سنتاہار۔ بوگرہ

غلام صدیق ——— پنڈی گھیب

عمر: ۹ سال تعلیم: چہارم

دل چسپیاں: قلمی دوستی، نونہال کا مطالعہ

پتہ: جماعت چہارم، گورنمنٹ ہائی مڈل اسکول پنڈی گھیب

عبدالرزاق موسیٰ ——— کراچی

عمر: ۱۳ سال تعلیم: ہشتم

دل چسپیاں: قلمی دوستی، ہمدرد نونہال پڑھنا،

پتہ: کھوکرا پار۔ ای۔۲۔۷/۱۴ کراچی

عبدالرقیب ——— سکھر

عمر: ۱۷ سال تعلیم: سیکنڈ ائیر

دل چسپیاں: قلمی دوستی، ٹکٹ جمع کرنا، ہاکی کھیلنا

پتہ: مکتبہ تعمیر انسانیت فریئر روڈ سکھر

محمد خلیل الرحمٰن شاہد ——— جھنگ

عمر: ۱۴ سال تعلیم: نہم

دل چسپیاں: شاعری، بیڈمنٹن کھیلنا

پتہ: ایم۔بی۔ہائی اسکول جھنگ شہر۔ نہم بی رول ۲۶

محمد اقبال ——— ملتان

عمر: ۱۲ سال تعلیم: ششم

دل چسپیاں: قلمی دوستی، لطیفے لکھنا

پتہ: محمد اقبال زرگر جماعت ششم فریق (سی) ہائی اسکول مخدوم پور پہوڑاں۔ ملتان

. . . .

فارم حلقۂ دوستی

نام: . . . .

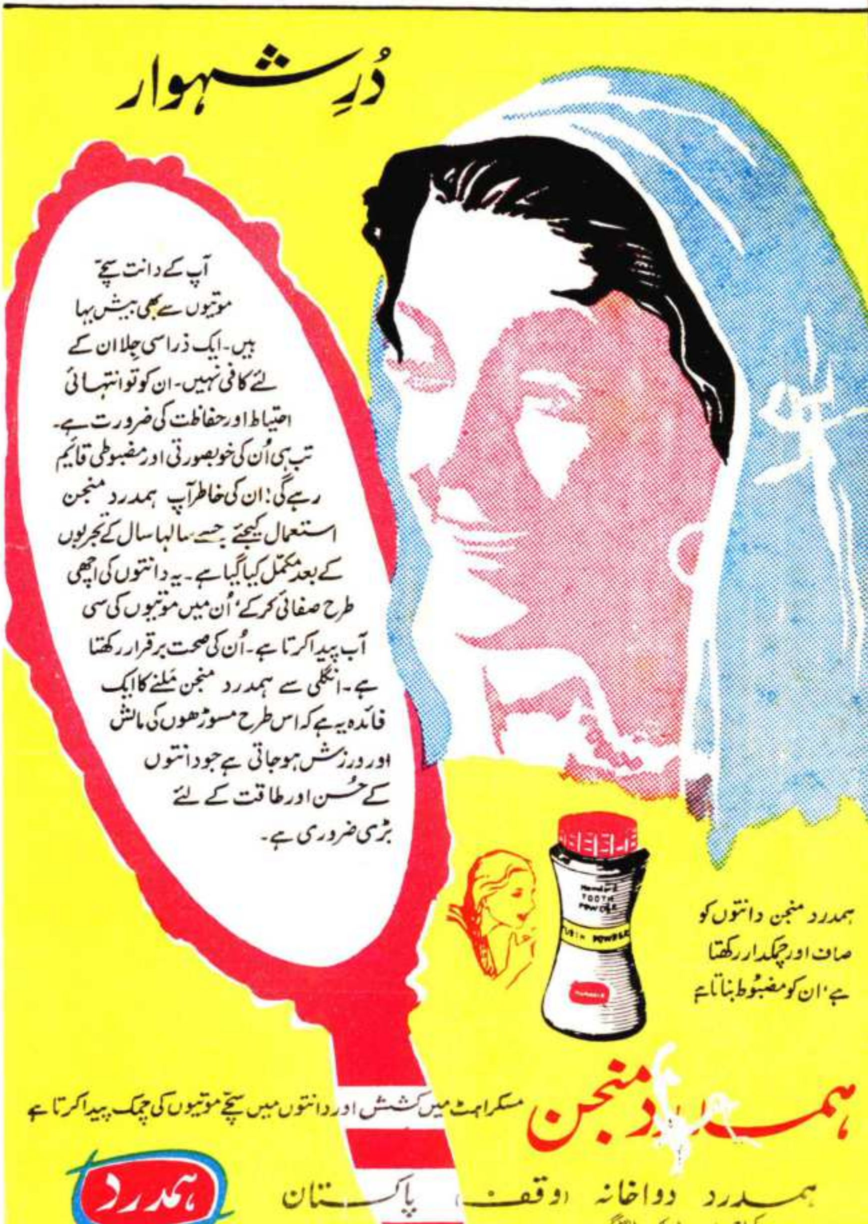
عمر: . . . .

تعلیم: . . . .

دل چسپیاں: . . . .

پتہ: . . . .

حکیم حافظ محمد سعید ایڈیٹر، پرنٹر پبلشر نے زین پیکیجنگ انڈسٹریز کراچی میں چھپوا کر ادارہ مطبوعات ہمدرد ناظم آباد کراچی سے شائع کیا۔


دُرِ شہوار
آپ کے دانت سچے
موتیوں سے بھی بیش بہا
ہیں۔ایک ذراسی جِلا ان کے
لئے کافی نہیں۔ان کو تو انتہائی
احتیاط اور حفاظت کی ضرورت ہے۔
تب ہی اُن کی خوبصورتی اور مضبوطی قائم
رہے گی: ان کی خاطر آپ ہمدرد منجن
استعمال کیجئے جسے سالہا سال کے تجربوں
کے بعد مکمل کیا گیا ہے۔یہ دانتوں کی اچھی
طرح صفائی کر کے، اُن میں موتیوں کی سی
آب پیدا کرتا ہے۔اُن کی صحت برقرار رکھتا
ہے۔انگلی سے ہمدرد منجن مَلنے کا ایک
فائدہ یہ ہے کہ اس طرح مسوڑھوں کی مالش
اور ورزش ہوجاتی ہے جو دانتوں
کے حُسن اور طاقت کے لئے
بڑی ضروری ہے۔
ہمدرد منجن دانتوں کو
صاف اور چمکدار رکھتا
ہے، ان کو مضبوط بناتا ہے
ہمدرد منجن
مسکراہٹ میں کشش اور دانتوں میں سچے موتیوں کی چمک پیدا کرتا ہے
ہمدرد
ہمدرد دواخانہ (وقف) پاکستان
کراچی۔ لاہور۔ ڈھاکہ۔ چٹاگانگ

دسمبر ۱۹۶۵ء
رجسٹرڈ ایس نمبر ۳...
بارھواں شمارہ
بارھویں ج...

ہمدرد نونہال

اس رسالے میں کیا ہے؟

قیمت: ایک رسالہ ۷۵ پیسے — سالانہ آٹھ روپے